یہ خانۂ آب و گِل

انتخاب دیوان شمسِ تبریزی

جلال الدین رومیؒ

ترجمہ: فہمیدہ ریاض

یہ خانۂ آب و گِل

انتخاب

دیوان شمس تبریزی

جلال الدین رومیؒ

اردو ترجمہ:

فہمیدہ ریاض

شہرزاد
SCHEHERZADE

Yeh Khana-e-aah o Gil

Selections from Jalal Uddin Rumi's

Diwan-e-Shams Tabrizi

Urdu Versions

By: **Fehmida Riaz**

پہلی اشاعت : ۲۰۰۶ء

کمپوزنگ : احمد گرافکس، کراچی info@ahmedgraf.com

طابع : سمیع سنز پرنٹرز، کراچی

شہرزاد

SCHEHERZADE

بی۔ ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی۔

info@scheherzade.com

پیاری حُمّو کے لیے

ساغر بکف، سر میں نشہ، چہرہ لیے خورشید سا

ان غزلوں کا انتخاب ''دیوانِ جامع شمس تبریزی'' کے اس نسخے سے کیا گیا ہے، جسے استاد بدیع الزماں فروزاں فر نے تصحیح و درستی املا کے ساتھ مرتب کیا۔ دیوان میں فارسی، عربی، ترکی اور یونانی کے کُل بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) اشعار ہیں، جن میں پینتیس سو (۳۵۰۰) غزلیں، قصیدے، قطعے، ترجیعات اور ۱۹۹۵ رباعیات شامل ہیں، اسے ادارہ انتشارات فردوس نے تہران سے شائع کیا ہے۔

اظہارِ تشکّر

ان منظوم تراجم کے لیے میں ڈاکٹر حمیرا عزیز کی ممنون ہوں جس کی محبت اور اعتماد کے باعث ان منظوم تراجم کا آغاز ہوا۔

میں اپنے مرّبی محترم ڈاکٹر اسلم فرّخی کی شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنے گھر میں ان تراجم کی سماعت قبول کی اور اس خلوص سے سند پسندیدگی عطا کی کہ میں ترجمے کا کام مکمل کر سکی اور جہاں میں مشکل میں پڑی وہاں انہوں نے ہی میری مشکل کو حل کیا۔

میں آصف فرخی کو محبت بھرا شکریہ پیش کرتی ہوں جس نے اس مجموعے کی اشاعت پر زور دیا اور سب سے بڑھ کر شکریہ محمد جاوید کا جنھوں نے نہایت محنت اور احتیاط سے میرے تراجم کے ساتھ مولانا رومیؒ کی فارسی غزلیات کی حروف نگاری کی۔

فہمیدہ ریاض

فہرست

ابتدائیہ

مولانا جلال الدین رومی کو مشرق و مغرب میں دنیا کا عظیم ترین صوفی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی مشہور ترین تصنیف چھ جلدوں پر مشتمل مثنوی ہے جسے "مثنوی مولانا روم" اور "مثنوی معنوی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو کلام دیوانِ شمس تبریز میں ہے اس کا آغاز مثنوی کی تصنیف سے قبل ہوا جب کہ ان غزلیات، قطعات اور رباعیات کی تحریر مثنوی کے ساتھ جاری رہیں۔

مولانا کی پیدائش بلخ میں ہوئی تھی جو موجودہ شمالی افغانستان میں واقع ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش عموماً ٦ ربیع الاوّل ٦٠٤ ھ (٣٠ ستمبر ١٢٠٧ء) مانی جاتی ہے۔ سنہ ١٢١٢-١٣ عیسوی میں مولانا کا خاندان بلخ سے ہجرت کر کے اناطولیہ (موجودہ ترکی) میں آباد ہوگیا تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں جب کہ وہ ایک قدیم شہر لارندہ (موجودہ کرمان) میں مقیم تھے ان کی پہلی شادی ہوئی۔ اس سے ان کے دو لڑکے ہوئے تھے جن کے نام سلطان ولد اور علاؤالدین محمد تھے۔

(مولانا کی زندگی کی تفصیلات ان کے صاحبزادے سلطان ولد کی مثنوی "ابتداء نامہ" میں محفوظ ہیں جو انہوں نے مولانا کی وفات کے بعد تحریر کی۔ یہ مثنوی محققین کے لیے حقائق اور تفصیلات تک رسائی کا نہایت قابل اعتماد ذریعہ رہی ہے۔)

مولانا روم کے والد جناب بہاء الدین ولد اپنے وقت کے جید عالم دین اور صوفی تھے۔ جن کو سلطان العلماء کا خطاب دیا گیا تھا۔ ان کا تعلق صوفیائے کرام کے خاندان سے تھا۔ بعض محققین کی رائے میں وہ جناب نجم الدین کبرا کے سلسلے سے متعلق تھے۔

جناب بہاء الدین ولد کی شہرت و عظمت سے متاثر ہوکر اس وقت کے سلجوقی سلطان علاؤالدین کیقباد نے سلطان العلماء کو اپنی سلطنت کے دارالخلافے، قونیہ میں تشریف لانے کی

دعوت دی۔

بہاء الدین ولد، مولانا رومی کی معیت میں ۳ مئی ۱۲۲۸ء کو قونیہ میں وارد ہوئے جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور شاہی خاندان کے افراد اور کئی وزراء ان کے مرید اور شاگرد بن گئے۔ سلطان نے انہیں ایک باغ عنایت کیا اور ان کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کیا جہاں وہ طلباء کو فقہ کی تعلیم دے سکیں اور فتوات جاری کریں۔

قونیہ میں آمد کے وقت مولانا روم کی عمر ۲۴ برس تھی ۔ ۲۴ فروری ۱۲۳۱ کو بہاء الدین ولد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور قاضی و مفتی کی مسند مولانا روم کو پیش کردی گئی جس کو انہوں نے قبول کرلیا۔

مولانا روم نے اب تک تمام تعلیم ایک مشہور و معزز عالم دین خلیفہ سید برہان الدین محقق ترمذی کی زیرِنگرانی حاصل کی تھی جو بہاء الدین ولد کے دوست اور مقرب تھے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مولانا روم نے سفرشام کا قصد کیا۔ پہلے وہ حلب گئے اور مدرسۂ حلوائیہ سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد وہ دمشق گئے جہاں انہوں نے چار برس گزارے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دمشق میں مولانا کی ملاقات شیخ محی الدین عربیؒ (ابن عربی) سے بھی ہوئی تھی جو باکمال صوفی اور شاعر تھے۔ مولانا کے سوانح نگار افلاکی کے مطابق دمشق ہی میں مولانا پہلی بار شمس تبریزی سے ملے تھے (گو اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔)

مولانا حصول علم سے مطمئن ہوکر قونیہ واپس آگئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ پہلی بیوی گوہر خاتون کے انتقال کے بعد مولانا قونیہ کے ایک معزز گھرانے کی دختر کرا خاتون سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ اس شادی سے ان کی ایک صاحبزادی اور دو بیٹے تولّد ہوئے۔

قونیہ میں مولانا رومؒ کا رعب و دبدبہ بے مثال تھا۔ سلجوقی سلطنت میں ان کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ان کی فصاحت وبلاغت، علمی دسترس، صاف گوئی اور استقامت ایمان کے باعث نہ صرف تفسیر قرآن بلکہ قوانین فقہ میں ان کی قضاوت کو حرف آخر قرار دیا جاتا تھا۔ ان کے طلباء کی تعداد کئی ہزار سے تجاوز کرتی تھی اور خود سلطان اور وزراء و امراء ان کی مشاورت کو اپنے لیے

قابل فخر سمجھتے تھے۔

مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد کی مثنوی "ولد نامہ" اور افلاکی کے بیان کے مطابق ۲۸ نومبر ۱۲۴۴ء کو شمس تبریزی قونیہ میں وارد ہوئے اور مولانا رومؒ سے ملے۔ اس کے بعد قونیہ میں کچھ بھی پہلے جیسا نہ رہا۔ قونیہ کا قاضی و مفتی و مدرس گویا ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ اس کی جگہ وہ عظیم شخصیت وجود میں آئی جسے آج دنیا رومی کے نام سے جانتی ہے۔

مولانا روم اور شمس تبریزی میں رشتۂ عشق استوار ہوا۔ شمس تبریزی رومی کے مرشد بھی تھے اور محبوب بھی۔ دیوان شمس تبریزی اسی المناک، لازوال عشق کی داستان سناتا ہے۔

شمس تبریزی کون تھے؟ چند برس قبل تک ان کی شخصیت کے بارے میں معلومات نہایت محدود تھیں۔ ایک گمنام قلاش شخص جس کے حسب و نسب کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ وہ مستقل سفر کرتے رہتے تھے۔ جس کے باعث انہیں لوگ "پرندہ" کہنے لگے تھے۔ وہ اکثر محنت مزدوری کر کے گزارا کرتے تھے۔ قونیہ میں انہوں نے کوچہ شکر فروشاں کی سرائے میں ایک کمرہ کرائے پر لیا تھا۔ صرف چند برس قبل، ایرانی محقق جناب استاد فروزاں فر کی شب و روز کی جستجو اور محنت شاقہ کے باعث شمس تبریزی کی گفتگو پر مشتمل "مقالات شمس تبریزی" شائع ہوئے ہیں جن سے ان کے علم کی وسعت و گیرائی، سحر بیانی اور درجۂ معرفت کا کچھ اندازہ ہوسکا ہے۔

شمس تبریزی نے مولانا رومؒ پر دین کے ایسے مطالب و مفاہیم منکشف کیے کہ مولانا رومؒ نے تدریس و قضاوت یکسر ترک کر دیے۔ وہ رقص و موسیقی کے شیدائی ہوگئے اور تمام وقت سماع کی محفلوں میں گزارنے لگے۔ انہیں کائنات کے ذرے ذرے اور شمس تبریزی کی ذات میں باریٔ تعالیٰ کا جلوہ نظر آگیا۔

قونیہ کے عمائدین اور مولانا کے ہزاروں طالب علموں اور مریدوں کو مولانا کی شخصیت میں یہ انقلاب نہایت ناگوار ہوا۔ وہ اس بات سے خصوصاً نالاں تھے کہ شمس تبریزی کا معاشرے میں کوئی اعلیٰ مقام نہ تھا اور مولانا انہیں شان و شکوہ رکھنے والے مریدوں پر ترجیح دیتے رہتے تھے۔ وہ شمس تبریزی کی برسرعام توہین کرنے لگے۔ اس بدسلوکی سے دل شکستہ ہوکر شمس ایک دن خاموشی سے قونیہ چھوڑ کر چلے گئے۔

محبوب کے فراق میں مولانا رومؒ ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دیوان شمس تبریزی کی شاعری کا آغاز ہوا۔ مولانا روم نے سب سے اوّلین اشعار رقم کیے اور یہ خبر ملنے پر کہ شمس تبریزی دمشق میں ہیں، انہیں یہ غزلیں ارسال کیں۔ مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد بہ نفسِ نفیس دمشق گئے اور منت وسماجت کر کے شمس تبریزی کو قونیہ واپس لوٹنے پر آمادہ کرلیا۔

شمس تبریزی کی واپسی سے مولانا کی زندگی میں بہار لوٹ آئی وہ وصال محبوب میں فرطِ طرب سے ازخود رفتہ رہنے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب دیوان جامع کی وہ طربیہ غزلیں موزوں کی گئیں جن کی مثال صرف فارسی ہی نہیں عالمی ادب میں بھی ملنی دشوار ہے۔ اس طرب میں وہ روحانی کیفیت بھی پیوست ہے جو اسرارِ حیات وممات کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ کیف وسرمستی کی اس شاعری کو روحانی جمالیات کی اعلیٰ ترین مثال تسلیم کیا جاتا ہے۔

لیکن مولانا روم کے لئے مسّرت و انبساط کا یہ دور عارضی ثابت ہوا۔ شمس تبریزی سے مولانا کی شیفتگی اہل قونیہ اور خود مولانا کے خاندان کے بعض افراد کے لئے دوبارہ ناقابل برداشت ہوگئی۔

سنہ ۱۲۴۷ء عیسوی میں جناب شمس تبریزی قونیہ سے غائب ہوگئے۔

وہ کہاں گئے؟ اس بارے میں کوئی شخص وثوق سے کچھ نہیں جانتا۔ ایک روایت یہ ہے کہ شمس تبریزی کو ان کے مخالفین نے قتل کر کے ان کی نعش کنویں میں پھینک دی۔ اس رات شمس مولانا کی جائے رہائش پر موجود تھے۔ غالباً انہیں آواز دے کر باہر بلایا گیا تھا۔ انہیں قتل کرنے والوں میں مولانا کے اپنے بیٹے علاؤ الدین کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ (شمس تبریزی کے غیاب کے بعد علاؤ الدین فوت ہوئے اور مولانا روم نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی۔) اسی روایت کے مطابق چند دن بعد کچھ لوگوں نے شمس تبریزی کی نعش کنویں سے نکال کر سپرد خاک کردیا۔ ان کا تنہا وملول مزار مولانا کے مقبرے سے کافی فاصلے پر آج بھی موجود ہے۔

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا روم جیسے واقف اسرار کو آخر جناب شمس تبریزی کی شہادت کا برسوں یقین کیوں نہ آیا؟ (جناب شمس تبریزی کے نام سے ایک مزار شہر تبریز میں

بھی موجود ہے!) مولانا رومؒ شمس کو انتہائے بے قراری سے تلاش کرتے رہے۔ ان کی جستجو میں وہ خود دمشق تک گئے۔ وہ کوچہ بہ کوچہ، کوبکو شمس کی تلاش کرتے تھے اور راہگیروں سے شمس کا پتہ نشان پوچھتے تھے اور اس شدت اور بے قراری سے گریہ و زاری کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ جاتا تھا اور ان کے اور شمس کے رشتہ عشق پر استہزاء سے ہنسنے والے مولانا کے ساتھ زارو قطار رونے لگتے تھے۔

اس عالم میں رومیؔ صرف سماع کا سہارا لئے زندہ رہے جس کا راستہ انہیں شمس تبریزی نے دکھایا تھا اور اس طرح اس المیہ اور فراقیہ شاعری کا نزول ہوا جس کی اثر انگیزی فقید المثال ہے اور جو دیوان جامع میں محفوظ ہے۔

کچھ عرصے بعد، بہر حال مولانا رومؒ کی بے قراری کو قرار آیا۔ اپنے مریدوں اور چاہنے والوں کے بے پناہ اسرار پر وہ قونیہ واپس تشریف لے آئے۔ لیکن انہوں نے دوبارہ مفتی وقاضی کا عہدہ گوارا نہ کیا اور نہ ہی تدریس کو قبول کیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد مولانا نے اپنے مقرب خاص جناب حسام الدین شلابی ارمنوی کے اصرار پر مثنوی مولوئ ومعنوی کا آغاز کیا۔ اس کی ابتدا سنہ ۱۲۶۰ عیسوی سے عشرے کے اختتام پر ہوا تھا جب کہ سنہ ۱۲۷۳ عیسوی میں اس کی چھٹی جلد کا اختتام ہوا۔ دیوان کی غزلیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ غزلیات تخلیقِ مثنوی کے دوران بھی جاری رہیں کیونکہ ان میں جناب صلاح الدین زرکوب اور حضرت حسام الدین شلابی ارمنوی کے اسماء کا بار بار ذکر ہے جب کہ آخر الذکر مثنوی کی تخلیق میں شب و روز مولانا کے ساتھ رہتے تھے۔

مثنوی مولانا رومؔ کے لیے کہا گیا ہے کہ

؎ ہست قراں در زبان پہلوی

کیونکہ مثنوی میں قرآن کی ۱۱۳ سورات کی متعدد آیات کی تفسیر درج ہے (قرآن کریم میں کل ۱۱۴ سورات ہیں۔) اسی طرح دیوان شمس تبریزی کی متعدد غزلیات بھی قرآنی آیات سے مزین ہیں۔ (ان کا ابھی تک شمار نہیں کیا گیا ہے۔)

مولانائے روم کی زندگی راہ معرفت پر سفر سے عبارت ہے۔ لیکن اس میں گندھی ہوئی ایک ان کی ذاتی زندگی بھی تھی۔ زیرِ نظر مجموعے بہ خانۂ آب و گِل میں بیشتر وہ غزلیات شامل ہیں جو مولانا روم کی ذاتی زندگی کے نشیب و فراز کا نشان دیتی ہیں۔ ان غزلوں میں بہرحال وہ روحانی کیفیات، فکر اور نظریات جو مولانا روم کی شناخت ہیں، اس طرح پیوست ہیں جیسے پھول میں رنگ، یا پانی میں طراوت، کہ انہیں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

مثنوی اور دیوان جامع کے جوہر کلام میں اس لحاظ سے فرق نہیں کہ دونوں ہی تصوف و طریقت کے مرقعہ جات ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے کہ مولانا نے مثنوی عامتہ الناس کے لیے تحریر کی تھی جب کہ دیوان جامع کی غزلیات انہوں نے اپنے محبوب کے لیے موزوں کی تھیں۔ اسی لیے جس "جلال الدین رومؔی" کا کشفِ ذات دیوان کی غزلوں میں ہوا ہے، اس تک مثنوی کبھی رسائی حاصل نہیں کرسکتی تھی۔

انتخابِ دیوانِ شمس تبریز

O

آن شکل بین وان شیوه بین وان قد و خد و دست و پا
آن رنگ بین و آ هنگ بین و آن ماه بدر اندر قبا

از سرو گویم یا چمن، از لاله گویم یاسمن
از شمع گویم یا لگن یا رقص گل پیش صبا

ای عشق چون آتشکده ، در نقش و صورت آمده
بر کاروان دل زده، یکدم امان ده یافتی

در آتش و در سوزمن، شب می برم تا روز من
ای فرخ پیروز من از روی آن شمس الضحیٰ

بر گرد ماہش می تَنَم بی لب سلامش می کنم
خودرا زمین برمی زنم زان پیش کو گوید صلا

گلزار و باغ عالمی، چشم و چراغ عالمی
ہم درد و داغ عالمی چون پانهی اندر جفا

O

کیا شکل ہے، کیا شیوہ ہے، کیا قد و خد ، کیا دست و پا
کیا رنگ، کیا آہنگ ہے، مہ کو چھپائے ہے قبا

تو سرو ہے یا ہے چمن، تو لالہ ہے یا یاسمن
تو شمع یا قندیل ہے، یا رقص گل میں ہے ہوا

یہ عشق ہے آتش کدہ سب نقش و صورت ہے وہی
ہم دل زدوں کا کارواں ہے مانگتا جس سے اماں

اس آگ میں، اس سوز میں ، میں روز و شب جلنے لگا
ہے فرخ پیروز تو میرے لیے شمس الضحیٰ

اس ماہ پر گرداں رہوں، بے لب سلام اس کو کروں
تن کو زمیں پر ڈال دوں، جب تک کہے وہ الصلا

گلزارو باغ عالم کا تو ، چشم و چراغ عالم کا تو
اور درد و داغ عالم کا تو، کرنے لگے جس دم جفا

آیم کنم جان را گرو، گویی مده زحمت ، برو
خدمت کنم تا واروم گوی که ای ابله بیا

ای دل قرار تو چه شد؟ وان کار و بار تو چه شد؟
خوابت که می بندد چنین اندر صباح و درمسا؟

دل گفت حسن روی او، وان نرگس جادوی او
وان سنبل ابروی او، وان لعل شیرین ماجرا

ا ی عشق پیش هر کسی، نام و لقب داری بسی
من دوش نام دیگرت کردم که درد بیدوا

ای رونق جانم زتو، چون چرخ گردانم زتو
گندم فرست ای جان که تاخیره نگردد آسیا

دیگر نخواهم زد نفس، این بیت رامی گوی و بس
بگداخت جانم زین هوس، ارفق بنایا ربنا

☆☆☆

کرنے لگا میں جاں گرو، اس نے کہا "زحمت نہ دے"
چاکر بنوں، خدمت کروں تا وہ کہے "نادان آ"

دل کا قرار آخر گیا سب کاروبار آخر گیا
اوّل شب و اوّل سحر، اک خواب رہتا ہے ترا

یہ دلربا صورت تری، یہ نرگسِ جادو تری
یہ سنبلِ ابرو ترا اور لعلِ شیریں ذائقہ

اے عشق اوروں نے تجھے نام و لقب کیا کیا دیے
میں نام دوں گا دوسرا یعنی کہ دردِ لادوا

اس جاں کی رونق تجھ سے ہے گرداں ہوں میں جیسے فلک
جوں پاٹ[۱] چکّی کا پھرے، اب بھیج گندم خوش لقا

اب میں نہ لب کھولوں گا بس، اشعار یہ کافی سمجھ
پگھلی ہے جاں، بارے ہوس، ارفق بنایا ربّنا[۲]

☆☆☆

O

ای خواجه نمی بینی این روز قیامت را
این یوسف خوبی را، این خوش قد و قامت را

ای شیخ نمی بینی این گوهر شیخی را
این شعشعهٔ نوری را این جاه وجلالت را

ای میر نمی بینی این مملکت جان را
این روضهٔ دولت را این تخت و سعادت را

ای خوش دل و خوش دامن، دیوانه تُوی یا من
درکش قدحی بامن، بگذار ملامت را

چون آبِ روان دیدی، بگذار تَیَمم را
چون عیدِ وصال آمد، بگذار ریاضت را

خاموش! که خاموشی، بهتر زعسل نوشی
در سوز عبارت را بگذار اشارت را

O

اے خواجہ نہ دیکھوگے اس روزِ قیامت کو؟
اس یوسفِ خوبی کو اس خوش قدوقامت کو

اے شیخ نہ دیکھو گے اس گوہرِ یکتا کو
ان نور کی کرنوں کو، اس جاہ و جلالت کو

سلطان نہ دیکھو گے اس مملکتِ جاں کو؟
اس روضۂ دولت کو، اس تخت و سعادت کو

خوش پیرہن و خوش دل، دیوانہ ہوں میں یا تُو
پی ساتھ مرے یارا، اب بھول ملامت کو

جب آبِ رواں دیکھا، کیا کام تیمم کا
جب عیدِ وصال آئی پھر چھوڑ ریاضت کو

خاموش کہ خاموشی ہے شہد سے بھی بہتر
اب پھونک عبارت کو اور چھوڑ اشارت کو

شمس الحق تبریزی ای مشرق تو جانها
از تابش تو یابد این شمس حرارت را

☆☆☆

شمس الحق تبریزی تو روح کا مشرق ہے
تابش سے تری پہنچا ہر شمس حرارت کو

☆☆☆

O
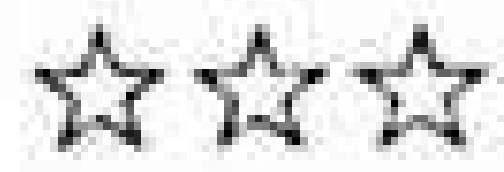
ای عاشقان ای عاشتان امروز ماییم و شما
افتاده در غرقابها تا خود که داند آشنا

گرسیل عالم پر شود هر موج چون اشتر شود
مرغان آبی راچه غم، تاغم خورد مرغ هوا

مارخ زشکر افروخته،با موج بحر آموخته
زان سان که ماهی رابود دریا و توفان جان فزا

ای شیخ مارا فوطه ده وی آب مارا غوطه ده
ای موسی عمران بیابر آب دریازن عصا

این باد اندر هر سری سودای دیگر می پزد
سودای آن ساقی مرا، باقی همه آنِ شما

دی روز مستان رابه ره بربود آن ساقی کُلّه
امروز می در می دهد تا برکند از ماقبا

O
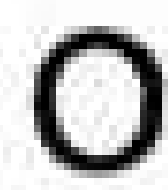
اے عاشقاں، اے عاشقاں ہیں آج تم اور ہم یہاں
غرقاب ہیں اس جھیل میں، ہیں تیرنے سے آشنا

سیلاب آجائے اگر موجیں فلک تک جس کی ہوں
کیا ڈر پرندِ آب کو، ڈرتا رہے مرغِ ہوا

روشن حلاوت سے ہیں رخ، ہم موج و دریا دان ہیں
ہوتے ہیں مچھلی کے لیے دریا و طوفاں جانفزا

دستار دے اے شیخ ہمیں، اے آب ہم کو غوطہ دے
اے موسیٰ عمران آ اور مار پانی پر عصا

ساقی کا سودا ہے ہمیں، باقی مبارک غیر کو
ہر سر میں سودا دوسرا بھرنے لگی دیکھو ہوا

ساقی نے کل اس راہ میں سر سے اڑا لی تھی کلہ
اور آج دیتا ہے سبو تن سے اتارے تا قبا

ای رشک ماه و مشتری با ما و پنهان چون پری
خوش خوش کشانم می بری آخر نگو یی تاکجا

هر جاروی تو بامنی ای هر دو چشم و روشنی
خواهی سوی مستیم کش، خواهی ببر سوی فنا

عالم چو کوه طوردان ما همچون موسی طالبان
هر دم تجلی می رسد برمی شکافد کوه راه

یک پاره اخضر می شود یک پاره عبهر می شود
یک پاره گوهر می شود یک پاره لعل و کهربا

ای طالب دیدار او بنگر درین کهسار او
ای که چه باده خورده ای مامست گشتیم از صدا

ای باغبان ای باغبان در ما چه در پیچیده ای
گر برده ایم انگور تو، تو برده ای انبان ما

☆☆☆

اے رشک ماہ و مشتری پنہاں ہے تو جیسے پری
کھینچے لیے جاتا ہے تو آخر کہاں، آخر کہاں

جائے جہاں میں ساتھ ہوں اے جانِ و دل کی روشنی
مستی کی جانب لے چلے یا لے چلے سوئے فنا

دنیا بھی کوہِ طور ہے، مانندِ موسیٰ ہم بھی ہیں
ہر دم تجلی ہے وہی، صد پارہ ہے دل کوہ کا

سرسبز اک پارہ ہوا، اک پارہ نرگس بن گیا
اک پارہ گوہر بن گیا، اک پارہ لعل و کہرا

اے طالبِ دیدار سن، آوازۂ کہسار سن
مے کیسی پی اس کوہ نے، دل مست ہیں سن کر صدا

اے باغباں ہم میں نہاں کیا کردیا تونے بتا
تیرے چنے انگور اگر، تونے وہ کیسہ لے لیا

☆☆☆

O

امروز دیدم یار را، آن رونق هر کار را
می شد روان بر آسمانٔ همچون روان مصطفی

خورشید از رویش خجل، گردون مشبک همچون دل
از تابش او آب و گل افزون ز آتش درضیا

گفتم که بنما نرد بان تا بر روم بر آسمان
گفتا سر تو نردبان، سر را در آور زیر پا

چون پای خود بر سر نهی، پابر سر اختر نهی
چون تو هوارا بشکنی، پا بر هوانِه هین بیا

بر آسمان و بر هوا، صد ره پدید آید ترا
بر آسمان پر ان شوی هر صبحدم همچون دعا

☆☆☆

O

دیکھا ہے میں نے یار کو، اس رونق پرکار کو
یوں آسماں پر تھا رواں جیسے روانِ مصطفیٰؐ

خورشید ہے اس سے خجل، دل کی طرح ہے آسماں
اس کا اسیر ، اور آب و گِل کی ہے غذا اس کی ضیا

میں نے کہا زینہ دکھا، پہنچوں فلک تک کس طرح
اس نے کہا، زینہ ہے سر، اس سر کو لے آ زیرِ پا

رکھے گا جب سر پر قدم، بچھ جائیں گے تارے وہیں
چلنے لگے گا باد پر، توڑے گا تو جس دم ہوا

ہیں آسماں اور باد میں تیرے لیے سو راستے
سوئے فلک اڑتا ہے تو ہر صبح دم جیسے دعا

☆☆☆

٥

ای شاه جسم و جان ما، خندان کن دندان ما
سرمه کش چشمان ما، ای چشم جان راتوتیا

ای مه زاجلالت خجل، عشقت زخون ما بحل
چون دیدمت می گفت دل، جاء القضاء جاالقضاء

ماگوی سرگردان تو، اندر خم چوگان تو
گه خوانیش سوی طرب، گه رانیش سوی بلا

گه جانب خوابش کشی، گه سوی اسبابش کشی
گه جانب شهر بقاء، گه جانب دشت فنا

گه شکر آن مولی کند، گه آه وا ویلی کند
گه خدمت لیلی کند ، گه مست و مجنون خدا

خان را تو پیدا کرده ای، مجنون و شیدا کرده ای
گه عاشق گنج خلا، گه عاشق رو وی ریا

O

اے شاہِ جسم و جاں مرے، اے رونقِ دنداں مرے
آنکھوں کے میری سرمہ کش، اے چشمِ جاں کے توتیا

اجلال سے ہے مہ خجل، ہے عشق میرے خوں میں حل
دیکھا تجھے، دل نے کہا، جاء القضاء،[۲] جاالقضاء

ہم گیند سرگرداں تری، چوگاں کے خم میں ہیں سدا
چاہے بُلا سوئے طرب، یا پھینک دے سوئے بلا

گہہ خواب میں لے جائے تُو، بتلائے گہہ ان کے سبب
گہہ جانبِ شہرِ بقا، گہہ جانبِ دشتِ فنا

گہہ مدحتِ مولیٰ کرے گہہ آہ و واویلا کرے
گہہ خدمتِ لیلیٰ کرے، گہہ مست و مجنونِ خدا

پیدا کیا اس جان کو، مجنوں کیا شیدا کیا
گہہ عاشقِ کنجِ خلا، گہہ عاشقِ رو و ریا

گه قصد تاج زر کند، گه خاکها بر سر کند
گه خویش را قیصر کند،گه دلق پوشد چون گدا

طرفه درخت آمد کزو گه سیب روید گه کدو
گه زهر روید گه شکر، گه درد روید گه دوا

جوبی عجایب کاندرون ، گه آب رانی گاه خون
گه بادهائ لعل گون، گه شیر و گه شهد شفا

☆☆☆

گہہ روند ڈالے تاج وہ، گہہ سر پہ ڈالے خاک وہ
گہہ بن گئے وہ پادشہ، گہہ بن گئے مسکیں گدا

سیب اور کدو جس میں اُگیں، طرفہ شجر تُو نے دیا
ہے زہر اس میں اور شکر، ہے درد اس میں اور دوا

کیسی عجب یہ نہر ہے، پانی بھی اس میں، خون بھی
اس میں شرابِ لالہ گوں، اور دودھ اور شہدِ صفا

☆☆☆
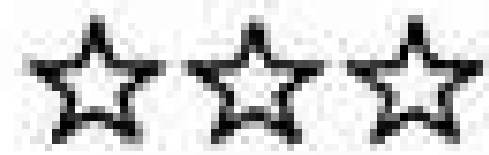
o

معشوقه به سامان شد، تاباد چنین بادا
کفرش همه ایمان شد، تاباد چنین بادا

مُلکی که پریشان شد، از شومیِ شیطان شد
باز آن سلیمان شد، تاباد چنین بادا

یاری که دلم خَستی، در بررخ مابستی
غمخوارهٔ یاران شد، تاباد چنین بادا

هم باده جدا خوردی، هم عیش جدا کردی
نک سَردِه مهمان شد، تاباد چنین بادا

زان خشم دروغینش ، زان شیوهٔ شیرینش
عالم شکرستان شد، تاباد چنین بادا

از دولت محزونان، وزهمت مجنونانِ
آن سلسله جُنبان شد، تاباد چنین بادا

O

معشوقہ ہوئی مایل، پایندہ رہے یوں ہی
وہ کفر اب ایماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

گر ملک پریشاں تھا، شیطاں کی شرارت تھی
پھر دورِ سلیماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

جو یار ستاتا تھا چہرہ نہ دکھاتا تھا
غم خوارۂ یاراں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

پیتا تھا الگ بادہ، لیتا تھا الگ لذّت
لو آج وہ مہماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

جھوٹا تھا ترا غصہ ، شیریں ہے ترا شیوہ
عالم شکرستاں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

محزونوں کے باعث اور مجنونوں کی ہمت سے
وہ سلسلہ جنباں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

عید آمد و عید آمد، یاری که رمید آمد
عیدانه فراوان شد، تاباد چنین بادا

آن بادِ هوا رابین، زافسونِ لب شیرین
بانای در افغان شد، تاباد چنین بادا

از اسلم شیطانی، شد نفس تو ربّانی
ابلیس مسلمان شد، تاباد چنین بادا

بر روح برافزودی، تابود چنین بودی
فَرِّ تو فروزان شد، تاباد چنین بادا

خاموش که سر مستم، بربَست کسی دستم
اندیشه پریشانشد، تاباد چنین بادا

☆☆☆
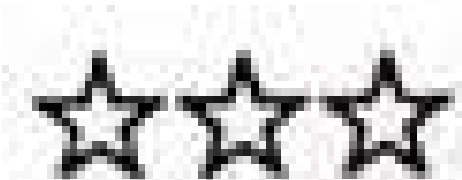
عیدِ آئی ہے عید آئی، بچھڑا ہوا یار آیا
عیدی بھی فراواں ہے، پائندہ رہے یوں ہی

جھونکا تھا ہوا کا جو، ان ہونٹوں کے جادو سے
اس نے میں پرافغاں ہے، پائندہ رہے یوں ہی

شیطاں کے تصرّف سے آزاد ہوئیں روحیں
ابلیس مسلماں ہے، پائندہ رہے یوں ہی

تو روح میں افزوں تھا، سُو تجھ کو تو ہونا تھا
اب نور فروزاں ہے، پائندہ رہے یوں ہی

خاموش نشے میں ہوں، وابستہ کسی سے ہوں
یہ ذہن پریشاں ہے، پائندہ رہے یوں ہی

☆☆☆

o
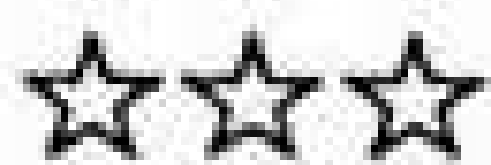
خواجه بیا، خواجه بیا، خواجه دگر بار بیا
دفع مده، دفع مده، ای مه عیار بیا

عاشق مهجور نگر، عالم پر شور نگر
تشنهٔ مخمور نگر، ای شه خمار بیا

پای توی دست توی، هستی هر هست توی
بلبل سرمست توی، جانب گلزار بیا

گوش توی ، دیده توی، وزهمه بگزیده توی
یوسف دزُدیده توی، برسر بازار بیا

ازنظر گشته نهان، ای همه راجان وجهان
باردگر رقص کنان بی دل و دستار بیا

روشنی روز توی، شادی غم سوز توی
ماه شب افروز توی، ابر شکر بار بیا

O

اے مرے صاحب آجا، خواجہ پھر اک بار آجا
ایسے بہانے نہ بنا، اے مہِ عیار آجا

عاشق مہجور ہوں میں، عالم پر شور ہے یہ
تشنہ و مخمور ہوں میں، اے شبہ خمّار آجا

پاؤں بھی تو ہاتھ بھی تو، تو ہے وجود ہستی
بلبلِ سرمست ہے تو، جانب گلزار آجا

کان بھی تو، آنکھ بھی تو، اور دونوں سے بڑھ کر
یوسف دزدیدہ مرے، برسرِ بازار آجا

آنکھ سے کیوں اوجھل ہے، خلق کے اے جان وجہاں
پھر سے یونہی رقص کناں، بے دل و دستار آجا

روشنی روز ہے تو، شادئ غم سوز ہے تو
ماہِ شب افروز ہے تو، ابر گہر بار آجا

ای علم عالم نو، پیش تو هر عقل گرو
گاه میا، گاه مرو، خیز به یک بار بیا

ای دل آغشته به خون، چند بود شور و جنون
پخته شد انگور کنون، غوره میفشار بیا

ای شب آشفته برو، وی غم ناگفته برو
ای خرد خفته برو، دولت بیدار بیا

ای دل آواره بیا وی جگر پاره بیا
ور ره در بسته بود، از ره دیوار بیا

ای نفس نوح بیا وی هوس روح بیا
مرهم مجروح بیا صحت بیمار بیا

بس بود ای ناطق جان، چند ازین گفت زبان
چند زنی طبل بیان، بی دم و گفتار بیا

☆☆☆

عالم نو کے پرچم، عقل ہے تجھ سے حیراں
چھوڑ یہ آنا جانا، اٹھ کے بس اک بار آجا

دل مرا آغشتہ بہ خوں، بہت ہوا شور و جنوں
پک گئے انگور بھی اب، اب تو مرے یار آجا

اے شب آشفتہ دفع، اور غم ناگفتہ دفع!
سوئی خرد دور ہو تو، دولتِ بیدار آجا

اے دل آوارہ مرے، آجا جگر پارہ مرے
بند جو دروازہ ملے، ازرہِ دیوار آجا

اے نفسِ نوح مرے، اے ہوسِ روح مری
مرہم مجروح مرے، صحتِ بیمار آجا

بس کر اب اے ناطقِ جاں، بولے کہاں تک یہ زباں
کب تک یہ طبلِ بیاں، بے دم و گفتار آجا

☆☆☆

O

دی سحری بر گذری گفت مرا یار
شیفته و بیخبری چند ازین کار

چهرهٔ من رشک گُل و دیدهٔ خود را
کرده پُر از خون جگر، در طلب خار

گفتم کی پیش قدت سَرو نهالی
گفتم کی پیش رُخت شمع فلک تار

گفتم کی زیر و زبر چرخ و زمینت
نیست عجب گر بر تو نیست مرا بار

گفت منم جان و دلت خیره چه باشی
دم مزن و باش بر سیمبرم زار

گفتم کی از دل و جان بُرده قراری
نیست مرا تاب سکون گفت به یکبار

O

کل صبحدم کہنے لگا مجھ سے میرا یار
وائے تری بے خبری رفتۂ ازکار

چہرہ مرا رشکِ گل اور آنکھ تری تر
خونِ جگر سے لبالب، مانگتا ہے خار

میں نے کہا، قد سے ترے سرو ہے پودا
میں نے کہا، رخ سے ترے شمع فلک تار

میں نے کہا زیر و زبر تیری زمیں ہے
کیا ہے عجب بر میں ترے مجھ کو نہیں بار

کہنے لگا جان تری کیوں ہوئی ہلکان
کھول نہ لب چاہ یہ آغوش چمن زار

میں نے کہا مجھ کو قرار آ نہیں سکتا
مجھ میں کہاں تابِ سکوں، بولا وہ یک بار

قطرهٔ دریای منی دَم چه زنی بیش
غرقه شو و جانِ صدف پر زگهر دار

☆☆☆

قطرہ ہے تو دریا ہوں میں، اور نہ کچھ کہہ
ڈوب کہ ہوجائے صدف تیرا گہر دار

☆☆☆

O

آمد بُت میخانه تا خانه برد مارا
بنمود بهار نو تا تازه کند مارا

بکشاد نشان خود بربست میان خود
پر کرد کمان خود تاراه زند مارا

صد نکته در اندازد، صد دام دغل سازد
صد نردِ عجب بازد تا خوش بخورد مارا

رو سایه سروش شو، پیش و پس او می دو
گرچه چو درخت نو، از بن بکند مارا

باز آمد و باز آمد آن عمر دراز آمد
آن خوبی و ناز آمد تا داغ نهد مارا

آن جان و جهان آمدو آن گنج نهان آمد
وان فخرِ شهان آمد تا پرده دَرّد مارا

O

آیا بتِ میخانہ اور گھر سے لیا مجھ کو
کردے گا مجھے تازہ دکھلا کے بہارِ نو

لہرا کے علم اپنا، پر کرکے کماں اپنی
رکھا ہے نشانے پر رہزن نے مرے مجھ کو

سو نکتے اٹھاتا ہے سو جال بچھاتا ہے
سو مہرے بڑھاتا ہے تا کھالے وہیں مجھ کو

اُس سرو کا سایہ بن، کر قد کا طواف اس کے
گو جڑ سے اکھاڑے گا وہ مثلِ شجر مجھ کو

پھر آیا وہ پھر آیا، وہ عمرِ دراز آیا
وہ خوبیٔ ناز آیا، تا داغ کرے مجھ کو

وہ جانِ جہاں آیا، وہ گنجِ نہاں آیا
وہ فخرِ شہاں آیا تا فاش کرے مجھ کو

شمس الحق تبریزی در برج حمل آمد
تابرشجر فطرت خوش خوش بپزّد مارا

☆☆☆

یوں برج حمل میں ہے شمس الحق تبریزی
فطرت کے شجر پر وہ تا پختہ کرے مجھ کو

☆☆☆

O

من رسیدم به لب جوی وفا
دیدم آنجا صنمی روح فزا

سپهِ او همه خورشید پرست
همچو خورشید همه بی سروپا

بشنواز آیتِ قرآن مجید
گر تو باور نکنی قول مرا

قد و جدت امراة تملکهم
اوتیت من کل شیء ولها

چونک خورشید نمودی رخ خود
سجده دادیش چو سایه همه را

من چوهد هد بپریدم به هوا
تارسیدم به در شهر سبا

O

کل جو پہنچا میں لب جوئے وفا
میں نے دیکھا صنمِ روح فزا

اس کی کُل فوج تھی خورشید پرست
مثلِ خورشید تھے سب بے سروپا

سن لو یہ آیتِ قرآن مجید
باور آئے نہ اگر قول مرا

انّی و جدت امراة تملکھم ؎
اوتیت من کلِ شئی ولھا

جب کہ خورشید نے رخ دکھلایا
بن کے سایہ کیا سب نے سجدہ

میں تو ہدہد ہوں ہوا میں اڑتا
کہ پہنچنا ہے مجھے شہرِ صبا

۵

بازدگر آن دلبرِ عیّار مرا یافت
سرمست همی گشت به بازار مرا یافت

پنهان شدم از نرگس مخمور مرا دید
بگریختم از خانه خمّار مرا یافت

بگریختنم چیست کزو جان بَبَرد کس
پنهان شدنم چیست چو صد بار مرا یافت

گفتم که در انبوهی شهرم کی بیابد
آنکس که در انبوهی اسرار مرا یافت

ای مژده که آن غمزهٔ غمّاز مرا جُست
وی بخت که آن طُرّهٔ طرّار مرایافت

من از کف پاخار همی کردم بیرون
آن سرِودو صد گلشن و گلزار مرا یافت

O

اک بار پھر اس دلبرِ عیار کو میں مل گیا
وہ مست جاتا تھا یونہی بازار کو میں مل گیا

چھپتا تھا میں اس نرگسِ مخمور سے، دیکھا گیا
بھاگا تھا میں اک خانہ خمار کو میں مل گیا

کیا بھاگنے سے ہو کہ اس سے جان ہے کسی کی بچی
چھپنے سے کیا حاصل کہ میں سو بار اس کو مل گیا

پوچھا کہ میں اس شہر کے انبوہ میں کیسے ملا؟
اس سے، جسے انبوہ میں اسرار کے میں مل گیا

مژدہ کہ ڈھونڈا مجھ کو میرے غمزۂ غمآز نے
کیا بخت ہے اس طرۂ طرّار کو میں مل گیا

پل بھر کہیں بیٹھا تھا میں، کانٹا نکالوں پیر سے
اس سروِ دو صد گلشن و گلزار کو میں مل گیا

من گمشدم از خرمن آن ماه چوکیله
امروز مه اندر بن انبار مرا یافت

ازخونِ من آثار به هر راه چکیدست
اندر پی من بود به آثار مرا یافت

چون آهو از آن شیر رمیدم به بیابان
آن شیر گه صید به کُهسار مرا یافت

جامی که بُرّداز دلم آزار به من داد
آن لحظه که آن یارِ کم آزار مرایافت

امروز نه هوش است و نه گوش است و نه گفتار
کان اصل هر اندیشه و گفتار مرایافت

☆☆☆

پیمانے کی مانند اس خرمن میں تھا کھویا گیا
تہہ تک تلاشا اس نے جب انبار کو، میں مل گیا

ٹپکا تھا میرا خوں جہاں، آثار تھے ہر راہ پر
وہ دیکھتا آگے بڑھا آثار کو، میں مل گیا

اس شیر سے میں مثلِ آہو تھا گریزاں دشت میں
ڈھونڈا مجھے شیروں کے جب کہسار میں، میں مل گیا

ہر جام جو پیتا تھا میں ، آزار دیتا تھا مجھے
اس لحظہ جب اس یار کم آزار کو میں مل گیا

نے آج مجھ کو ہوش ہے، نے گوش نے گفتار ہے
اصلیتِ افکار اور گفتار کو میں مل گیا

☆☆☆

٥

ای یار ما دلدار ما ای عالم اسرار ما
ای یوسف دیدار ما ای رونق بازار ما

نکبر دم امسال ما، خوش عاشق آمد یار ما
ما مفلسانیم و توی صد گنج و صد دینار ما

ما خستگانیم و توی صد مرهم بیمار ما
ما بس خرابیم و توی هم از کرم معمار ما

من دوش گفتم عشق را ای خسرو عیار ما
سر در مکش، منکر مشو، تو بُرده ای دستار ما

واپس جو ابم داد او، نی از توست این کار ما
چون هرچه گویی وادهد همچون صدا کهسار ما

☆☆☆

O

تو یار ہے، دلدار ہے، اک عالم اسرار ہے
تو یوسف دیدار ہے اور رونق بازار ہے

امسال بازی لڑگئی ہم کو ملا تجھ سا صنم
مفلس ہیں ہم تو ہی ہمارا گنج وسو دینار ہے

ہم تھک چکے ہیں تو ہمارا مرہم بیمار ہے
ہم ٹوٹے پھوٹے تو ہمارا مہرباں معمار ہے

میں نے کہا کل عشق سے اے خسرو عیّارِ فن
منھ مت چھپا، تونے ہی چوری کی مری دستار ہے؟

اس نے کہا اچھا تو یہ تیرا ہی الٹا کار ہے؟
تو جو کہے بس وہ ہی دہراتا مرا کہسار ہے

☆☆☆

O

دوش آن جانانِ ما افتان و خیزان یک قبا
مست آمد بایکی جامی پراز صرف صفا

جام می می ریخت رَه رَه زانک مستِ مست بود
خاک ره می گشت مست و پیش او می کوفت پا

صد هزاران یوسف از حُسنش چومن حیران شده
ناله می کردند کی پیدای پهنان تا کجا

جیبها بشکافته آن خویشتن داران زعشق
دل سبک مانند کاه و رویها چون کهربا

عالمی کرده خرابه از برای یک کرشم
وز خمار چشم نرگس عالمی دیگر هبا

ترک و هندو مست و بد مستی همی کردند دوش
چون دو خصم خونی ملحد دل دوزخ سزا

O
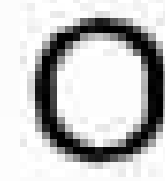
آیا تھا کل جاناں مرا، پی کر بس ایک جامِ صفا
افتاں و خیزاں مست تھا، تھی جسم پر بس اک قبا

رہ میں گرا اس کا سبو، سرمست اس دلدار سے
اور راستے کی خاک کے ذروں میں اٹھا غلغلہ

یوسف ہزاروں ہیں تبہ میری طرح حیران ہیں،
ہیں اس کی پنہاں وسعتیں آخر کہاں تک یا خدا

اس خاکِ رہ کے سامنے تھی سب کی جاں سجدہ کناں
دامن پھٹا اور دل سبک، رخ جیسے مقناطیس تھا

بس اک کرشمے سے کیا برباد کل عالم کو کل
پھر نرگسِ خمّار سے پیدا کیا تازہ جہاں

کل ترک و ہندو مست تھے، کرتے تھے کیا اٹکھیلیاں
ملحد ہوں دونوں جس طرح، لائق بہ تعزیر و سزا

گه به پای همد گر چون مجر مان معترف
می فتادندی به زاری جان سپار و تن فدا

باز دست همد گربگر فته آن هندو و ترک
هر دو در رو، می فتادند پیش آن مه روی ما

یک قدح پر کرد شا ه و داد ظاهر آن به ترک
وزنهان بایک قدح می گفت هندو رابیا

آن یکی صوفی مقیم صومعه پاکی شده
و ین مقام در خراباتی نهاده رختها

چون پد ید آمد زدور آن فتنه جانهای حور
جام در کف سکر در سر، روی چون شمس الضحیٰ

ترس جان در صومعه افتاد زان ترسا صنم
می کش و زنار بسته صوفیان پارسا

وان مقیمان خراباتی از آن دیوانه تر
می شکسته خمهاو می فکند ند چنگ و نا

پڑنے لگے پاؤں کبھی ایک دوسرے کے دم بہ دم
مجرم ہوں جیسے معترف کرتے ہوں جان و تن فدا

پھر ترک و ہندو ہاتھ تھامے گر پڑے، سجدہ کیا
اس خاک کو جس پر مرا مہرو تھا خندہ رو کھڑا

اس شبہ نے گو ظاہر کیا ہے تُرک کو دینا سبو
لیکن خفی، ہندو سے بھی کہنے لگا اے خواجہ آ

ان میں سے اک رہنے لگا اچھی عبادت گاہ میں
اور دوسرا، ساماں اٹھا، مے خانے میں جاکر بسا

لیکن ہوا جب دور سے ظاہر ہمارا مہ جبیں
ساغر بکف، سر میں نشہ، چہرہ لیے خورشید سا

ہلچل مچی ایسی عبادت گاہ میں سب ڈر گئے
وحشت سے تھرّانے لگے زنّار والے پارسا

مے خانے میں تھے جو مکیں حال ان کا ابتر ہوگیا
پھینکا سبو، پیمانہ توڑا، چنگ کو ٹکڑے کیا

شورو شرو نفع و ضرر و خوف و امن و جان و تن
جمله را سیلاب برده می کشاند سوی لا

نیم شب چون صبح شد، آواز داد ند موذنان
ایها العشاق قوموا واستعدّ وا و الصلاۃ

☆☆☆

اف شور و شر، نفع و ضرر، جنگ و امن، آہ و بکا
سب کو بہا کر لے گیا سیلاب آخر سوئے لا

جب نصف شب آئی سحر، اٹھا موذن بانگ دی
ایہا العشاق قوموا و استعدّو الصلاء [٦]

☆☆☆
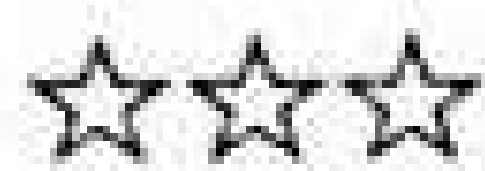
O

بعد از سماع گویی ، کان شورها کجا شد
یا خود نبود چیزی، یا بود آن فناشد

منکر مباش بنگر، اندر عصای موسی
یک لحظه آن عصابُد ، یک لحظه اژدها شد

چون اژدها ست قالب لب رانهاده برلب
کو خورد عالمی را وانگه همان عصا شد

الحق نهان سپاهی، پوشیده پادشاهی
هر لحظه حمله آرد، وانگه به اصل واشد

گرچه زما نهان شد، در عالمی روان شد
تانیستش نخوانی، گر از نظر جدا شد

هر حالتی چو تیرست اندر کمان قالب
رو در نشانه جویش گر ازکمان رها شد

O

بعد از سماع، بولو، وہ شور اب کہاں ہے
یا تو وہ کچھ نہیں تھا، یا تھا مگر فنا ہے

انکار مت کرو تم، دیکھو عصائے موسیٰ
اک لحظہ وہ عصا ہے، اک لحظہ اژدھا ہے

قالب ؎ بھی اژدھا ہے، ہیں بند ہونٹ اس کے
عالم کو کھا چکا ہے، اب پھر سے وہ عصا ہے

الحق نہاں ہے لشکر، پوشیدہ بادشاہ ہے
ہر لحہ کرکے حملہ، گم اصل میں ہوا ہے

پوشیدہ گر ہے ہم سے عالم میں وہ رواں ہے
کیسے کہیں نہیں ہے، نظروں سے گر نہاں ہے

قالب کی اس کماں میں، ہے تیر تو ہمیشہ
ڈھونڈ اس کا تو نشانہ، چھوٹا ہے گرکماں سے

گرچه صدف زساحل، قطره ربود و گم شد
در بحر جوید او را، غواصی کاشناشد

از میل مرد و زن خون جوشید و آن منی شد
وانگه از آن دو قطره یک خیمه در هواشد

وانگه زعالمِ جان آمد سپاه انسان
عقلش و زیر گشت و دل رفتِ پادشاشد

تا بعد چند گاهی دل یار شهر جان کرد
وانگشت جمله لشکر در عالم بقا شد

گویی چگونه باند، آمد شد معانی
اینک به وقت خفتن بنگر گره کشاشد

☆☆☆

ساحل سے لے کے قطرہ گم سیپ ہوگئی ہے
دریا میں ڈھونڈ لے گر غوآص آشنا ہے

رغبت سے مرد و زن کے خوں نے منی بنائی
دو قطروں نے ہوا میں خیمہ[۵] لگادیا ہے

اس دم جہانِ جاں سے آئی سپاہِ انساں
دانش وزیر اس کی، دل اس کا بادشاہ ہے

پھر یار کو بنایا اس دل نے شہر جاں کا
اور پھر وہ جملہ لشکر گم ہوگیا بقا میں

کیسی رہی بتاؤ، یہ آمدِ معانی
سونے کے وقت دیکھو، کیسی کھلی گرہ ہے

☆☆☆

O

این خانه که پیوسته درو بانگِ چغانه ست
از خواجه بپر سید که این خانه چه خانه ست

این صورتِ بت چیست اگر خانه کعبه ست
وین نورِ خدا چیست اگر دیرِ مغانه ست

گنجیست درین خانه که درکُون نگنجد
این خانه واین خواجه همه فعل وبهانه ست

بر خانه مَنِه دست که این خانه طلسمست
باخواجه مگو یید که او مستِ شبانه ست

خاک و خس این خانه همه عنبر و مُشکست
بانگِ درِ این خانه همه بیت و ترانه ست

فی الجمله هر آنکس که در این خانه رهی یافت
سلطانِ زمینست و سلیمانِ زمانه ست

O

اس گھر میں مسلسل ہے مجیروں کا ترانہ
یہ کیسا ہے گھر، کون ہے یہ صاحبِ خانہ

یہ صورتِ بت کیا ہے جو ہے خانۂ کعبہ
یہ نورِ خدا کیوں ہے جو ہے دیرِ مغانہ

ہے یاں وہ خزانہ کہ جہاں میں نہ سمائے
ہیں صاحب و خانہ تو فقط فعل و بہانہ

اس گھر پہ نہ رکھ ہاتھ کہ یہ گھر ہے طلسمی
مالک سے نہ کہنا کہ ہے وہ مستِ شبانہ

اس گھر کی خس و خاک بھی ہے عنبرِ مشکیں
دروازے کی آواز بھی ہے بیت و ترانہ

فی جملہ یہاں رہنے کی ہے جس کو اجازت
سلطانِ زمیں ہے وہ سلیمانِ زمانہ

ای خواجه یکی سر تو ازین بام فروکن
کَنْدر رخ خوب تو زاقبال نشانه ست

سوگند به جان تو که جز دیدن رویت
گر ملک زمین است فسونست و فسانه ست

حیران شده بستان که چر برگ و شگوفه ست
واله شده مرغان که چه دامست و چه دانه ست

این خواجه چرخست که چون زهره و ماه است
وین خانه عشق است که بی حدّو کرانه است

مستند همه خانه کسی راخبری نیست
ازهر کی درآید که فلانست و فلانه ست

مستانِ خدا گرچه هزارند یکی اند
مستانِ هوا جمله دو گانه ست و سه گانست

☆☆☆

اس تیرے حسیں رخ پہ ہے اقبال فروزاں
سر نیچے تو کر بام سے اے صاحب خانہ

سوگند تری اس رخ روشن کے علاوہ
گر ملک زمیں ہے تو ہے افسون و فسانہ

حیراں ہے گلستان کہ کیا پھول ہیں کیا پات
والہ ہیں پرندے کہ ہے جو دام جو دانہ

یہ صاحب افلاک ہے جوں زہرہ وجوں ماہ
یہ خانہ عشاق ہے بے حد و کرانہ

اس گھر میں سبھی مست ہیں کب ان کو خبر ہے
جو اس میں چلے آئے فلاں ہیں کہ فلانہ

مستانِ خدا گو کہ ہزاروں ہوں پہ ہیں ایک
مستان ہوا، جملہ دوگانہ و سہگانہ

☆☆☆

O

مهمان شاهم هر شبی بر خوان احسان و وفا
مهمان صاحب دولتم، که دولتش پاینده با

برخوان شیران یک شبی بوزینه ای همراه شد
استیزه روگر نیستی، اوازکجا شیراز کجا

بنگر که از شمشیر شه در قهر مان خون می چکد
آخر چه گستاخی است این،واللّٰه خطا واللّٰله خطا

گر طفل شیری پنجه زد بر روی مادر ناگهان
تو دشمن خود نیستی، بروی منه تو پنجه را

آنکو زشیران شیر خورد، اوشیر باشد نیست مرد
بسیار نقش آدمی دیدم، که بود آن اژدها

نوح ارچه مردم وار بُد، توفان مردم خوار بُد
گرهست آتش ذره ی، آن ذره دارد شعله ها

O
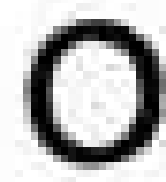
ہر شب ہوں مہماں شاہ کا ہے خوانِ احسان و وفا
پائندہ ہو یہ سلطنت، یہ مملکت پائے بقا

اک رات بوزینہ گیا شیروں[۹] کے دسترخوان پر
زور آزمائی کے لیے، پس وہ کجا اور یہ کجا

ہشیار! یہ شمشیرِ شہ خونخوار ہے اور تیز ہے
کیوں اس قدر گستاخ ہے، واللہ خطا، واللہ خطا

گر تو ہو بچہ شیر کا، اس پر بھی ماں کے منہ نہ آ
تو اپنا دشمن خود نہ بن، اس کو نہ یوں پنجے دکھا

شیروں کا دودھ اس نے پیا، آدم نہیں وہ شیر ہے
دیکھے ہیں کتنے آدمی جو اصل میں تھے اژدھا

گو نوح مردم وار تھے، طوفان مردم خوار تھا
گر آگ کا ذرہ بھی ہو، شعلہ اُسی میں ہے نہاں

شمشیرم و خون ریز من، هم نرمم و هم تیز من
همچون جهان فانیم، ظاهر خوش و باطن بلا

☆☆☆

مہرو مرا خوں ریز ہے، گہہ نرم ہے گہہ تیز ہے
فانی جہاں جیسا ہے وہ ظاہر حسین باطن بلا

☆☆☆

O
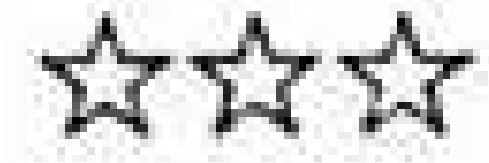
چه چیز ست آنک عکس او حلاوت داد صورت را
چون آن پنهان شود گویی که دیوی زاد صورت را

چوبر صورت زند یک دم، زعشق آید جهان برهم
چو پنهان شد، در آید غم، نبینی شاد صورت را

اگر آن خود همین جانست، چرا بعضی گرانجا نست
بسی جانی که چون آتش دهد بر باد صورت را

و گر عقلست آن پر فن، چرا عقلی بُوِد دشمن
که مکرعقل بد درتن کَنَد بنیاد صورت را

چوبا تبریز گردیدم زشمس الدین بپر سیدم
از آنسّری کزو دیدم همه ایجاد صورت را

☆☆☆

O

وہ کیا شے ہے کہ دیتی ہے حلاوت ایسی صورت کو
اگر گم ہو تو ابلیسی بنادیتی ہے صورت کو

جو صورت میں سما جائے، جہاں ہو عشق سے برہم
جو چھپ جائے، در آئے غم، نہ دیکھیں شاد صورت کو

اگر وہ جان ہے، کیوں بعض جانیں ہیں گراں اتنی
کئی جانیں تو کردیتی ہیں بس برباد صورت کو

اگر وہ عقل پُر فن ہے تو پھر ہے عقل کیوں دشمن
کہ مکرِ عَقلِ بد کرتا ہے بد بنیاد صورت کو

میں جب تبریز سے لوٹوں تو شمس الدیں سے پوچھوں گا
مجھے اس نے دکھایا ہے ہمہ ایجاد صورت کو

☆☆☆

٥

ای باد بی آرام ما باگل بگو پیغام ما
کای گل گریز اندر شکر چون گشتی از گلشن جدا

ای گل زاصل شکری، تو باشکر لایق تری
شکر خوش و گل هم خوش واز هر دو شیرین تر وفا

رخ بر رخ شکر بنه، لذت بگیرو بوبده
در دولت شکر بجه از تلخی جورفنا

اکنون که گشتی گلشکر، قوت دلی نور نظر
از گل بر آبر دل گذر، آن از کجا؟ این از کجا؟

باخاربودی همنشین جون عقل باجانی قرین
بر آسمانرو از زمین منزل به منزل تالقا

در سر خلقان می روی، در راه پنهان می روی
بستان به بستان می روی آنجا که خیزد نقشها

O

اے بادِ بے آرام تو اس گل کو یہ پیغام دے
اے گُل نہ پائے گا شکر، گلشن سے ہوکر تو جدا

شکَر ہی تیری اصل ہے، شکَر سے لائق تر ہے تو
ہے خوب شکَر، خوب گُل، دونوں سے شیریں تر وفا

رخسار رکھ اس قند پر، لذّت اٹھا ، خوشبو اُڑا
مت جنگ کر اس قند سے ، بس تلخ ہے جورِ فنا

تو بن گیا ہے گُل شکر ، آرامِ دل نورِ نظر
مٹی سے اٹھ، دل سے گزر، پس وہ کجا اور یہ کجا

کانٹوں کا تھا تو ہم نشیں، جوں عقل سے ہے جاں قریں
اب سیر کر افلاک کی، منزل بہ منزل تا لقا

تخلیق کا جو راز ہے پنہاں ہے اس کا راستہ
گلشن بہ گلشن تو رواں کھینچے گئے نقشے جہاں

ای گل تو اینها دیده ای زان برجهان خندیده ای
زان جامه ها بدریده ای ای گربز لعلین قبا

گلهای پار از آسمان نعره زنان در گلستان
کای هر که خواهد نردبان تا جان سپارد در بلا

هین از ترشح زین طبق بگذر تو بی ره چون عرق
ازشیشهٔ گلابگر چون روح از جام سما

از گل شکر مقصود ما لطف حقست و بودِ ما
ای بودِ ما آهن صفت وی لطف حق آهن ربا

هان ای دل مُشکین سخن، پایان ندارد این سخن
باکس نیارم گفت من، آنها که می گویی مرا

ای شمس تبریزی بگو سرّشهان شاه خو
بی حرف و صوت و رنگ و بو بی شمس کی تابد ضیا

☆☆☆

گُل تونے دیکھا یہ جہاں، کیا اس لیئے ہنستا ہے تو
کیا اس پہ داماں چاک ہے، اے زیرکِ لعلیں قبا

ہیں پھول پچھلے سال کے باغِ فلک میں نعرہ زن
اے ہر کہ اپنی جان کو کرنے چلا نذرِ بلا

تو اس طبق سے یوں گزر، مے جس طرح بے رہ چھنے
گلاب گر کے شیشے سے ، یا روح ناپے آسماں

گُل شکر کا مطلب ہے کیا، رحمت تری ہستی مری
ہستی مری آہن صفت، رحمت تری آہن ربا

ہاں اے دلِ مشکیں سخن، اس بات کا پایاں نہیں
بتلاؤں گا کس کو بھلا، جو مجھ سے تونے کہہ دیا

اے شمسِ تبریزی سُنا، رازِ شہانِ شاہ خو
بے حرف و صوت و رنگ و بو، بے شمس کیونکر ہو ضیا

☆☆☆

O

ای نوش کرده نیش را، بیخویش کن با خویش را
باخویش کن بی خویش را چیزی بده درویش را

تشریف ده عشاق را، پر نور کن آفاق را
بر زّهر زن تریاق را، چیزی بده درویش را

باروی همچون ماه خود، بالطف مسیکن خواه خود
مارا تو کن همراه خود، چیزی بده درویش راه

چون جلوهٔ مه می کنی و زعشق آگه می کنی
باماچه همراه می کنی، چیزی بده درویش را

درویش راچه بود نشان، جان و زبان دُرفشاں
نی دلق صد پاره کشان، چیزی بده درویش را

هم آدم و آن دم توی ، هم عیسیٰ و مریم توی
هم راز وهم محرم توی، چیزی بده درویش را

O

بے ذات کردے ذات کو شربت بنادے نیش کو
لے ساتھ ہر بے ذات کو، خیرات دے درویش کو

کر ذی شرف عشاق کو، پُر نور کر آفاق کو
سم پر چھڑک تریاق کو، خیرات دے درویش کو

رُخ سے تجلی ماہ لے، مسکیں عطائے شاہ لے
پس ہم کو بھی ہمراہ لے، خیرات دے درویش کو

مہ کی طرح جلوہ ترا، کرتا ہے گر عشق آشنا
مجھ پر ستم ہے کیوں روا، خیرات دے درویش کو

درویش کا کیا ہے نشاں، جانِ و زبانِ دُر فشاں
نے چاک و صد پارہ قبا، خیرات دے درویش کو

آدم بھی تو اور دم بھی تو، عیسیٰ بھی تو مریم بھی تو
تو راز ہے، محرم بھی تو، خیرات دے درویش کو

تلخ از تو شیرین می شود کفر ازتو چون دین می شود
خار از تو نسرین می شود، چیزی بده درویش را

جان من و جانان من! کفر من و ایمان من
سلطان سلطانان من چیزی بده درویش را

امروز ای شمع آن کنم بر نور تو جولان کنم
بر عشق جان افشان کنم، چیزی بده درویش را

امروز گویم چون کنم یک باره دل را خون کنم
وین کار را یکسو کنم، چیزی بده درویش را

تو عیب مارا کیستی؟ تو مار یا ماهیستی؟
خود رابگو تو چیستی چیزی بده درویش را

جان رادر افکن در عدم زیرا نشاید ای صنم
تو محتشم او محتشم چیزی بده درویش را

☆☆☆

ہر تلخ کو شیریں کیا، ہر کفر تونے دیں کیا
ہر خار کو نسریں کیا، خیرات دے درویش کو

اے جانِ جاناناں مرے، اے کفر و اے ایماں مرے
سلطانِ سلطاناں مرے، خیرات دے درویش کو

میں آج، شمع، کیا کروں، اس نور پر اڑتا پھروں
یا عشق پر جاں وار دوں، خیرات دے درویش کو

میں آج کیوں نے یوں کروں ، یکبارگی دل خوں کرو
اس کام کو نمٹا ہی دوں، خیرات دے درویش کو

اس عیب میں تو کون ہے؟ مچھلی[۱] ہے تو یا ناگ ہے؟
تو خود بتادے کیا ہے تو، خیرات دے درویش کو

جاں کو عدم میں پھینک دے، کیونکہ صنم بھاتی نہیں
تو محتشم، اے محتشم، خیرات دے درویش کو

☆☆☆

o

در دو جهان لطیف و خوش همچو امیر ما کجا؟
ابروی او گره نشد، گرچه که دید صد خطا

چشم کشا، درو نگر، جرم بیار و خونگر
خوی چو آبجو نگر، جمله طراوت و صفا

من زسلام گرم او آب شدم زشرم او
وزسخنان نرم او آب شوند سنگها

زهر به پیش او ببر، تاکُنَدش به از شکر
قهر به پیش او بنه تا کُندش همه رضا

آب حیات او ببین هیچ مترس از اجل
در دو در رضای او، هیچ ملرز از قضا

سجده کنی به پیش او، عزت مسجدت دهد
ای که تو خوار گشته ای زیر قدم چو بوریا

O

لطف و کرم جہان میں میرے امیر سا کہاں
ابروؤں کو گرہ نہ دے، دیکھے ہزار گر خطا

آنکھ تو کھول دیکھ اسے، عفو گنہ پہ کر نظر
اس میں ہے آب جو کی خو، ساری طراوت و صفا

اس کے سلامِ گرم سے، آب ہوں اس کی شرم سے
اس کے کلامِ نرم سے، آب ہے سینہ سنگ کا

زہر کا جام دے اسے، تاکہ کرے شکر اسے
قہر کو اس کے پیش رکھ، تاکہ کرے اسے رضا

آب حیات اسکا دیکھ، موت سے خوف کس لیے
اس کی رضا کے سامنے کام کرے گی کیا قضا

عزتِ مسجد اس نے دی تجھ کو تو سجدہ کر اسے
کب سے خراب و خوار تھا زیرِ قدم پڑا پڑا

خواندم امیر عشق را، فهم بدین شود ترا
چونک تو رهن صورتی، صورت تست ره نما

دل چو کبوتری اگر می بپر د زبام تو
هست خیال بام تو قبلهٔ جانش در هوا

بام و هوا، تُوی و بس، نیست روی به جز هوس
آب حیات جان تُوی، صورتها همه سقا

دور مرو، سفر مجو، پیش تو است ماه تو
نعره مزن که زیر لب می شنود زتو دعا

می شنود دعای تو می دهدت جواب او
کای کرِ من بهل بگوش تمام برگشا

گرنه حدیث او بدی جانِ تو آه کی زدی
آه بزن که آه تو راه کند سوی خدا

☆☆☆
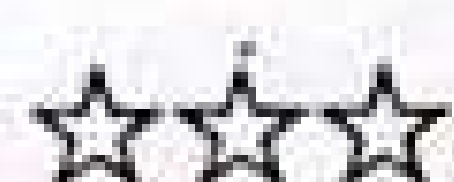
چونکہ امیر عشق کو صورتیں ہی پسند ہیں
اس لیے اس کے شکل و جسم بن گئے میرے رہنما

دل جو کبوتروں کی مثل، بام سے تیرے اڑ چلا
ساری فضا میں وہ ہی بام قبلہ جاں بنا رہا

بام و ہوا ہے صرف تو، دوسری صورتیں ہوس
آب حیاتِ جاں ہے تو، دوسری صورتیں سقا

دور نہ جا سفر نہ کر سامنے چاند ہے ترا
شور نہ کر کہ زیرِ لب سنتا ہے وہ تری دعا

سنتا ہے وہ دعا تری، دیتا ہے پھر جواب بھی
بہرہ نہ بن کہ سن سکے، گوش کو اپنے کرکے وا

اس کی رضا اگر نہ ہو جان کرے گی کیسے آہ
آہ بھر آہ، اس تلک پاتی ہے آہ راستا

☆☆☆

O

ای عاشقان ای عاشقان من خاک راگوهر کنم
وی مطربان ای مطربان دف شما پر زر کنم

ای تشنگان ای تشنگان امروز سقایی کنم
وین خاکدان خشک را جنت کنم کو ثر کنم

ای بی کسان ای بی کسان، جاء الفرج جاء الفرج
هر خستهٔ غم دیده را،سلطان کنم سنجر کنم

ای کیمیا ای کیمیا، در من نگر زیراکه من
صد دیر را مسجد کنم صد دار را منبر کنم

ای کافران ای کافران، قفل شمارا و اکنم
زیرا که مطلق حاکمم، مؤمن کنم کافر کنم

ای بوالعلاء،ای بوالعلاء مومی تو اندر کف ما
خنجر شوی ساغر کنم ساغر شوی خنجر کنم

O

اے عاشقو، اے عاشقو، میں خاک کو گوہر کروں
اے مطربو اے مطربو، اس دف کو میں پُر زر کروں

پیاسو سنو، پیاسو سنو، سقائی کرنے میں چلا
اس خاکدانِ خشک کو جنت کروں، کوثر کروں

اے بے کسو، اے بے کسو، جاء الفرج الے جاء الفرج
ہر خستۂ غم دیدہ کو سلطاں کروں سنجر کروں

اے کیمیا، اے کیمیا، تو دیکھ مجھ کو کس طرح
مسجد بنادوں دیر کو اور دار کو منبر کروں

اے کافرو، اے کافرو، تالا تمہارا کھول دوں
حاکم ہوں میں چاہوں جسے مومن کروں، کافر کروں

اے بوالعلیٰ، اے بو العلیٰ، تو موم ہے کف میں مرے
خنجر ہے گر، ساغر کروں، ساغر ہے گر خنجر کروں

تو نطفه بودی خون شدی، وانگه چنین موزون شدی
سوی من ای آدمی، تازینت نیکو ترکنم

من غصه را شادی کنم، گمراه راهادی کنم
من گرگ را یوسف کنم من زهر را شکر کنم

ای سردهان ای سردهان، بگشاده ام زان سردهان
تاهر دهان خشک راجفت لب ساغر کنم

اے عقلِ کل ، اے عقل کل تو آن بگوی راستی
توحاکمی تو حاکمی من گفتگو کم تر کنم

☆☆☆

تو نطفہ تھا، خوں بن گیا، پھر کتنا موزوں بن گیا
اس سمت آ اے آدمی، میں اور بھی بہتر کروں

غصہ کو میں کردوں خوشی، گمراہ کو ہادی کروں
یوسف بنادوں گُرگ کو، اور زہر کو شکّر کروں

رندوں کے شہ دیکھو تمہیں آزاد میں نے کر دیا
تا ہر دہانِ خشک کو پیوستۂ ساغر کروں

اے عقلِ کُل، اے عقلِ کُل جو کچھ کہے تو سچ ہے وہ
حاکم ہے تو، حاکم ہے تو، میں گفتگو کم تر کروں

☆☆☆

O
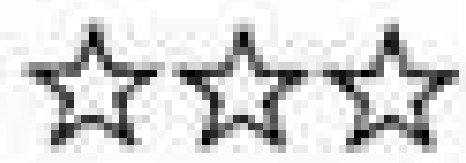
آن ره که بیآمدم کدامست
تا باز روم که کار خامست

یک لحظه زکوی یار دوری
در مذهب عاشقان حرامست

اندر همه دِه اگر کسی هست
واللّه که اشارتی تمامست

صعوه زکجا رهد که سیمرغ
پابستهٔ این شگرف دامست

آواره دلا میآ بدین سو
آنجا بنشین که خوش مقامست

آن نقل گزین که جان فزایست
وان باده طلب که باقوامست

O

کس رہ سے آیا تھا یہاں؟
لوٹوں، پڑے ہیں کتنے کام

دور ہو پل بھر کوئے یار
مذہب عشق میں ہے یہ حرام

اس گاؤں میں گر کوئی ہے
واللہ ہے وہ شوخ تمام

چڑیا کیا بچ پائے گی
سی مرغوں سے بھرا ہے دام

اے آوارہ ادھر کو آ
بیٹھ یہاں، اچھا ہے مقام

کھا یہ گزک، جانفزا ہے یہ
مانگ وہ مے جو رکھے قوام

باقی همه بوونقش و رنگست
باقی همه جنگ و ننگ و نامست

خاموش کن و زپای بنشین
چون مستی و این کنار بامست

☆☆☆

باقی سب کچھ رنگ اور نقش
باقی جنگ اور ننگ اور نام

چپ ہوجا اور ٹھیک سے بیٹھ
بے خود! یہ ہے کنارِ بام

☆☆☆
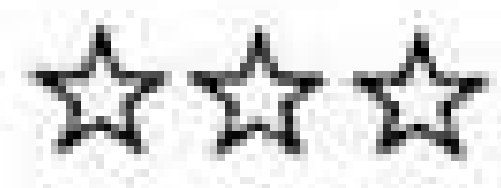
O

هر لحظه وحی آسمان آید به سر جانها
کاخر چو دُر دی بر زمین تا چند می باشی، برآ

هر کز گرانجانان،بُود چون درد در پایان بُوَد
آنگه رَود بالای خُم، کان دُرد اویابد صفا

گل رامجنبان ہر دمی تا آب تو صافی شود
تادُرد تو روشن شود. تا درد تو گردددوا

جانیست چون شعله ولی دودش زنورش بیشتر
چون دود از حد بگذرد در خانه ننماید ضیا

گر دود راکمتر کنی از نور شعله بر خوری
از نور تو روشن شود هم این سر اهم آن سرا

در آب تیره بنگری نی ماه بینی نی فلک
خورشید و مه پنهان شود،چون تیرگی گیرد هوا

O
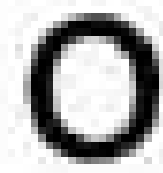
ہر لحظہ وحی آسماں روحوں پہ آتی ہے یہاں
کب تک رہے گی خاک پر غلطاں و پیچاں اس طرح

جو بھی گرانجانی میں ہیں، تلچھٹ بنے پانی میں ہیں
خم سے جو باہر آئے مے تلچھٹ سے ہوتی ہے رہا

مٹی کو ہر دم مت ہلا، پانی ترا پھر صاف ہو
تلچھٹ تری روشن بنے اور درد بن جائے دوا

گو روح شعلہ ہے تری، ہے نور سے بڑھ کر دھواں
حد سے جو گزرے یہ دھواں ، گھر میں نہیں آتی ضیا

کردے دھویں کو کم اگر، دیکھے گا نور اس شعلے کا
بھر جائیں گے اس نور سے، اے خواجۂ من، دوسرا

جھانکے جو تیرہ آب میں خورشید ہوگا نے فلک
چھپ جاتے ہیں خورشید و مہ جب تیرہ ہوتی ہے ہوا

باد شمالی می وزد کزوی هوا صافی شود
وز بهر این صیقل سحر در می دمد باد صبا

باد نفس مرسنیه را زاندوه صیقل می زند
گریک نفس گیرد نفس مر نفس را آید فنا

جان غریب اندر جهان مشتاق شهر لامکان
نفس بهیمی درچراچندین چرا باشد چرا؟

ای جان پاک خوش گهر، تاچند باشی در سفر
تو باز شاهی باز پر سوی صفیر پادشا

☆☆☆

بادشمالی جب چلے، اس سے ہوا پھر صاف ہو
صیقل کرے، اس کے لیے، لائے سحر باد صبا

سانسیں تری اندوہ سے سینہ ترا صیقل کریں
گر سانس الجھے سانس میں، ہوجائے گی تب جاں فنا

یہ روح پردیسی سمجھ، ہے لامکاں اس کا وطن
نفسِ بہیمی کے لیے یہ چارا آخر تا کجا؟

اے جانِ پاکِ خوش گہر، کب تک کرے گی تو سفر؟
تو بازِ شاہی ہے پلٹ سوئے صفیرِ پادشا

☆☆☆

O

دل چو دانه ما مثال آسیا
آسیا کی داند این گردش چرا

تن چو سنگ و آب او اندیشها
سنگ گوید آب داند ماجرا

آب گوید آسیا بان را بپرس
کو فگند اندر نشیب این آب را

آسیابان گویدت کای نان خوار
گرنگردد این که باشد نانبا

ماجرا بسیار خواهد شد خمش
از خدا وا پرس تا گوید ترا

☆☆☆

O
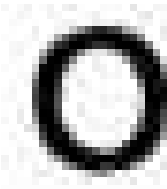
چکّیوں[۱۲] کو کیا خبر کیوں گھومتی رہتی ہیں وہ
دل ہے دانا اور ہم پانی کی چکی کی طرح

پاٹ ہے چکی کا ''تن'' اور اس کا پانی ہے '' دماغ''
پاٹ کہتا ہے کہ یہ پانی کو ہی ہوگا پتہ

یہ کہا پانی نے جاکر پوچھ چکی بان سے
وہ ہی پانی ڈالتا رہتا ہے ہر دم اس جگہ

چکی والے نے کہا اتنا بتا اے نان خور
گر نہ ہو چکی کی گردش کیا کرے گا نانبا؟

اب خمش ہوجا کہ یہ تو داستاں نکلی طویل
تو خدا سے پوچھ تاکہ صاف کردے ماجرا

☆☆☆
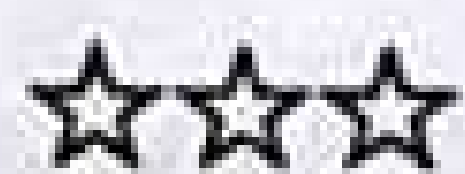
O

بیگاه شد بیگاه شد خورشید اندر چاه شد
خیزید ای خوش طالعان وقت طلوع ماه شد

ساقی به سوی جام رُو ای پاسبان بربام رو
ای جان بی آرام رو کان یار خلوت خواه شد

اشکی که چشم افروختی صبری که خرمن سوختی
عقلی که راه آموختی درنیمشب گمراه شد

جانهای باطن روشنان، شب رابه دل روشن کنان
هندوی شب نعره زنان کان ترک در خرگاه شد

شب ماه خرمن می کند ای روز زین بر گاونه
بنگر که راه کهکشان از سنبله پر کاه شد

د رچاه نسب غافل مشودر دلو گردون دست زن
یوسف گرفت آن دلو را از چاه سوی جاه شد

O

نا وقت ہے، ناوقت ہے، سورج کنویں میں گر پڑا
اے خوش نصیبو اب اٹھو وقتِ طلوعِ ماہ ہے

ساقی سوئے پیمانہ جا، اے پاسباں تو چھت پہ جا
اے جانِ بے آرام جا، اب یار خلوت خواہ ہے

آنسو، ہوا تو جب خفا، وہ صبر جب خرمن جلا
وہ عقل جو دکھلائے راہ، اب نیم شب گمراہ ہے

باطن ہیں روشن جن کے اب، روشن کریں دل سے یہ شب
ہندوے شب ہیں نعرہ زن خیمے میں اب وہ شاہ ہے

شب[۳] میں ہے خرمن ماہ کا، اے روز کس گائے پہ زیں
دیکھو وہ راہِ کہکشاں ، خوشوں سے بس پُر کاہ ہے

غافل کنویں میں تو نہ ہو، تو ڈول گردوں کا پکڑ
یوسف نے پکڑا ڈول کو، تھا چاہ میں، ذی جاہ ہے

O

نه که مهمان غریبم، تو مرا یار مگیر
نه که فلاّح تُوَم، سَروَر و سالار مگیر

نه که همسایهٔ آن سایهٔ احسان تُوم
تو مرا همسفرو مشفق و غمخوار مگیر

شربت رحمت تو برهمگان گردانست
تو مرا تشنه و مستسقی و بیمار مگیر

نه که هر سنگ زخورشید نصیبی دارد
تو مرا منتظر و کُشتهٔ دیدار مگیر

نه که لطف تو گنه سوز گنه کارانست
تو مراتائِب و مستغفر غفار مگیر

نه که هر مرغ به بال و پَرِ تومی پَرّد
تو مراصعوه شمر، جعفرطیار مگیر

○

میں پردیسی مسافر ہوں، تم اپنا یار مت سمجھو
مزارع ہوں تمہارا، سرور و سالار مت سمجھو

تمہارے سایۂ احساں کا ہوں میں صرف ہمسایہ
نہ سمجھو ہم سفر، تم مشفق و غمخوار مت سمجھو

سدا گردش میں رہتا ہے. تمہارا شربتِ رحمت
مجھے تم تشنہ و تب خوردہ و بیمار مت سمجھو

جب اس خورشید سے ہر سنگ کی کھل جائے گی قسمت
مجھے پھر منتظر اور کشتۂ دیدار مت سمجھو

گنہ گاروں کے عصیاں پھونک ڈالے وہ کرم ہو تم
مجھے بھی تائب و مستغفرِ غفار مت سمجھو

تمہارے بال و پر سے سب پرندے اُڑنے لگتے ہیں
مجھے چڑیا سمجھ لو، جعفرِ طیّار مت سمجھو

خفتگان رانه تماشای نهان می بخشی
تو مرا خفته شمر، حاضر و بیدار مگیر

این تصاویر همه خود صُوَر عشق بُوَد
عشق بی صورت چون قلزم زَخّار مگیر

من به کوی تو خوشم،خانهٔ من ویران گیر
من به بوی تو خوشم، نافهٔ تاتار مگیر

کفرو اسلام کنون آمدو عشق از ازلست
کافری راکه کشد عشق زکفار مگیر

☆☆☆
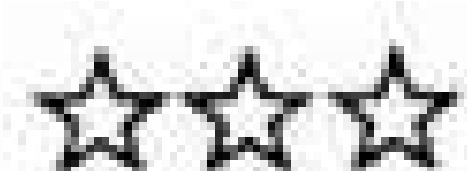
تماشائے نہاں بخشا ہے تم نے سونے والوں کو
مجھے سوتا سمجھ لو، حاضر و بیدار مت سمجھو

یہ تصویریں ہیں جسمِ عشق، کب ہے عشق بے صورت
اسے بے خال و خط جوں قلزمِ زخاّر مت سمجھو

میں خوش ہوں اس گلی میں، گھر مرا ویران سمجھو تم
تمہاری بُو سے خوش ہوں، نافۂ تاتار مت سمجھو

بنے ہیں کفر و ایماں آج جب کہ عشق ازل سے ہے
کریں جب عشق کافر، تم انہیں کفّار مت سمجھو

☆☆☆

O

باز آمدم چون عید نو تا قفل زندان بشکنم
وین چرخ مردم خوار راچنگال و دندان بشکنم

هفت اختر بی آب راکین خاکیان رامی خورند
هم آب برآتش زنم هم بادهاشان بشکنم

امروز همچون آصفم شمشیر و فرمان در کفم
تا گردن گر دنکشان درپیش سلطان بشکنم

من نشکنم جز جور رایا ظالم بدغور را
گرذره ای دارد نمک گیرم اگر آن بشکنم

چون درکف سلطان شدم یک حبه بودم کان شدم
گردر ترازویم نهی می دان که میزان بشکنم

چون من خراب و مست رادرخانهٔ خود ره دهی
پس توندانی این قدر کین بشکنم آن بشکنم

O
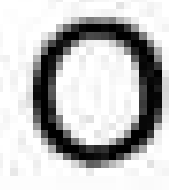
آیا ہوں بن کر عید نو میں قفل زنداں توڑنے
اس چرخ مردم خوار کے دانت اور پنجے موڑنے

یہ سات تارے کس طرح سب خاکیوں کو کھا گئے
میں بڑھ رہا ہوں آب و آتش اور ہوا کو توڑنے

میں بادشہ ہوں آج، ہیں شمشیر و فرماں ہاتھ میں
سب قاتلوں کی گردنیں آیا ہے سلطاں توڑنے

توڑوں نہ کچھ جز جور کے، یا ظالم بدطور کے
جس میں ذرا بھی ہے نمک آیا ہوں ان کو چھوڑنے

سلطاں کے آیا ہاتھ جب، میں ذرّہ تھا نا چیز سا
اور اب وزن میرا چلا میزاں کا پلڑا توڑنے

تم مجھ خراب و مست کو دیتے ہو کیوں گھر میں جگہ
ناداں یہاں آیا ہوں میں سب توڑنے سب پھوڑنے

گر پاسبان گوید که هی بروی بریزم جام می
دربان اگر دستم کشد من دست دربان بشکنم

از شمس تبریزی اگر باده رسد مستم کند
من لاابالی وار خود استون کیوان بشکنم

☆☆☆

گر پاسباں روکے مجھے، الٹاؤں اس پر جامِ مے
گستاخ اس دربان کا آیا ہوں بازو موڑنے

گر شمس تبریزی پلا کر مست کرڈالے مجھے
میں لاابالی پن سے چل دوں قصرِ کیواں[۱۴۱] توڑنے

☆☆☆

O

من دی نگفتم مر ترا کای بی نظیر خوش لقا
ای قدمه از رشک تو چون آسمان گشته دو تا

امروز صد چندان شدی، حاجب بُدی، سلطان شدی
هم یوسف کنعان شدی، هم فرنور مصطفی

امشب ستایمت ای پری، فردا از گفتن بگذری
فردا زمین و آسمان در شرح تو باشد فنا

امشب غنیمت دار مت، باشم غلام و چاکرت
فردا ملک بیهش شود، هم عرش بشکافدقبا

ناگه بر آید صر صری، نی بام ماند نه دری
زین پشگان پر کی زند چونک ندارد پیل پا

باز از میان صر صرش در تابد آن حسن وفرش
هر ذره ای خندان شود در فر آن شمس الضحیٰ

○

تجھ سے کہا تھا میں نے کل اے بے نظیر خوش لقا
اے رشک سے تیرے فلک پر چاند دوہرا ہوگیا

امروز تو جو کچھ بھی ہے، حاجب تھا تو سلطاں بنا
تو یوسفِ کنعاں بنا، تو حسنِ نورِ مصطفیٰ

امشب ستائش میں نے کی کل ہوگی برتر اے پری
کل یہ زمین و آسماں تعریف میں ہونگے فنا

امشب غنیمت ہے مجھے، نوکر ہوں میں چاکر ترا
ہوں گے فرشتے حمد خواں، کل عرش پھاڑے گا قبا

ناگاہ صرصر آئے گی، یہ بام ہوگا اور نہ در
مٹ جائیں گے سب بد نفس کیڑے مکوڑوں کی طرح

آندھی چلے گی جب تری، تابندہ اس میں ہوگا تو
ہر ذرہ ہنستا پائے گا اس نور میں، شمس الضحیٰ

تعلیم گیرد زرّه ها زان آفتاب خوش لقا
صد ذر گی دلربا کانها نبودش زابتدا

☆☆☆

وہ دل ربائی پائیں گے پہلے نہ تھی ان میں کبھی
تعلیم ذرے پائیں گے اے آفتاب خوش لقا

☆☆☆

٥
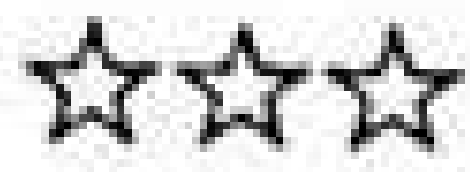
بشنیده ام که عزم سفر میکنی مکن
مهر حریف و یار دگر میکنی مکن

تو در جهان غریبی و غربت ندیده
قصدِ کدام خسته جگر میکنی مکن

از ما مدزد خویش و به بیگانگان مرو
دزیده سوی غیر نظر میکنی مکن

ای مه که چرخ زیر و زبر ز برای تست
ماٰرا خراب و زیرو زبر میکنی مکن

کو عهد و کو وثیقه که با ما تو کرده
از قول و عهد خویش عبر میکنی مکن

ای برتر از وجود و عدم پاینگاه تو
این لحظه از وجود گذر میکنی مکن

O

میں نے سنا ہے عزم سفر کررہا ہے تو
عشق حریف و یارِدگر کررہا ہے تو

تو اجنبی ہے دہر میں، دشمن ہے اک جہان
کس جا کا قصد خستہ جگر کررہا ہے تو

تو مجھ سے خود کو چھین کے بیگانوں میں نہ جا
چپکے سے سوئے غیر نظر کررہا ہے تو

اے چاند، چرخ زیرو زبر ہے ترے لیے
مجھ کو خراب و زیر و زبر کررہا ہے تو

پیمان و عہد مجھ سے کیے تھے وہ کیا ہوئے
کیا عہد تھے کہ جن سے مفر کررہا ہے تو

تیرے قدم وجود و عدم سے بلند ہیں
پھر کیوں وجود ہی سے سفر کررہا ہے تو

ای دوزخ و بهشت غلامان امر تو
بر من بهشت همچو سقر میکنی مکن

جانم چو کوره پُر آتش بست نکرد
روی من از فراق چو زر میکنی مکن

چون روی در کشی تو شود مه زغم سیه
قصدِ کسوف قرص قمر میکنی مکن

ماخشک لب شویم چو تو خشک آوری
چشم مرا باشک چه تر میکنی مکن

☆☆☆

اے دوزخ و بہشت ترے امر کے غلام
کیوں یہ بہشت مجھ پہ سقر کررہا ہے تو

ہے بس کہ آگ جاں مری، تو پھر بھی خوش نہیں
کیوں رخ مرا فراق سے زر کررہا ہے تو

غم سے سیاہ چاند ہو، گر رخ ترا چھپے
کیوں چاند کے گہن کا سفر کررہا ہے تو

ہوتا ہوں خشک لب میں تری خشک روئی سے
اشکوں سے آنکھ کیوں مری تر کررہا ہے تو

☆☆☆

o

نگفتمت مرو آنجا که آشنات منم
درین سراب فنا چشمهٔ حیات منم

وگر به خشم روی صد هزار سال زِمن
به عاقبت به من آیی که منتهات منم

نگفتمت که منم بحر و تویکی ماهی
مرو به خشک که دریای باصفات منم

نگفتمت که چو مرغان به سوی دام مرو
بیاکه قوتِ پرواز پَرّ و پات منم

نگفتمت که تراره زنندو سرد کنند
که آتش و تبش و گرمیِ هوات منم

نگفتمت که صفتهای زشت در تونهند
که گم کنی که سرِ چشمهٔ صفات منم

O

کہا تھا تم سے نہ جاؤ کہ آشنا ہوں میں
سراب مرگ میں اک چشمہ بقا ہوں میں

جو سو ہزار برس طیش میں رہو تم دور
بالاخر آنا مجھی تک کہ انتہا ہوں میں

کہا تھا تم سے کہ پانی ہوں میں تم اک مچھلی
نہ جاؤ خشکی پہ، دریائے با صفا ہوں میں

کہا تھا تم سے پرندے ہو سوئے دام نہ جاؤ
تمہاری قوتِ پروازِ بے پنہ ہوں میں

کہا تھا وہ تمہیں دم بھر میں سرد کردیں گے
تمہاری آگ ، تپش، گرمئ ہوا ہوں میں

کہا تھا تم سے، تمہیں بے صفات کردیں گے
یہ مت بھلاؤ کہ سر چشمہ صفا ہوں میں

اگر چراغ دلی دانک راه خانه کجاست
و گر خدا صفتی دانک کدخدات منم

☆☆☆
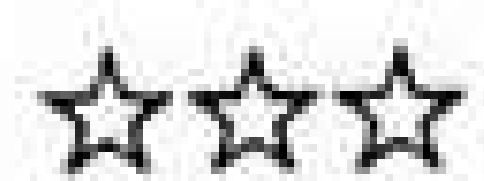
چراغ خانہ ہو گر دیکھ لو کہاں گھر ہے
خدا صفت ہو، سمجھ لو کہ کدخدا ہوں میں

☆☆☆

O

جرمی ندارم بیش ازین کز دل هوا دارم ترا
از زعفران روی من رومی بگر دانی چرا

یا این دل خونخواره را لطف و مراعاتی بکن
یاقوت صبرش بده در یفعل اَلله ما یشا

این دو ره آمد در روش یا صبر یا شکر نعم
بی شمع روی تونتان دیدن مرین دو راه را

هر گه بگر دانی تو رو آبی ندارد هیچ جو
کی ذرّه ها پیدا شود بی شعشعه شمس الضحی؟!

بی بادهٔ تو کی فتد در مغز نغزان مستي؟
بی عصمت تو کی رود شیطان به لا حول ولا؟

امرت نغرّد کی رود خورشید در برج اسد؟
بی تو کجا جنبد رگی در دست و پای پارسا؟

O
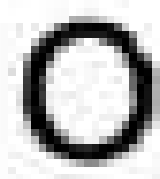
کیا جرم اس دل نے کیا، تیری تمنا کے سوا
مجھ زرد رو سے مہرباں کیوں مُنھ چھپایا ہے بتا

اپنے کرم کی چھاؤں کر میرے دل خونخوارہ پر
دے صبر کا یاقوت اسے، در یفعل اللہ ما یشآ[16]

دو راستوں کی ہے روش[17] اک صبر کا اک شکر کا
دونوں نظر آتے نہیں، اے شمع رو تیرے سوا

جب سے ترا رخ چھپ گیا، دریا ہیں پانی سے تہی
ذرّے ہوں پیدا کس طرح تیری شعاؤں کے سوا

مستی میں کیا آئیں حسیں، ملتی نہیں جب مے تری
شیطاں ڈرے لاحول سے کیونکر تری عصمت بنا

برج اسد میں کس طرح خورشید جائے بے امر
رگ کس طرح حرکت کرے بے دست و پا ہیں پارسا

در مرگ هشیاری نهی،در خواب بیداری نهی
در سنگ سقایی نهی در برق میرنده وفا

هم ری و بی و نون راکر دست مقرون با الف
در باد دم اندر دهن تا خوش بگویی ربنا

لبیک لبیک ای کرم، سودای تست اندر سرم
زآب تو چرخی می زنم، مانند چرخ آسیا

هرگز نداند آسیا مقصود گرد شهای خود
کاستون قوت ماست او یا کسب و کار نانبا

آبیش گردان می کند، اونیز چرخی می زند
حق آب را بسته کند اوهم نمی جنبد زجا

خامش که این گفتار ما می پرد از اسرار ما
تاگوید او که گفت او هرگز ننما ید قفا

☆☆☆☆

ہشیار رکھے موت میں بیدار رکھے نیند میں
سقہ بنادے سنگ کو، بجلی کو کردے باوفا

تو رے و بے اور نون کو لایا الف سے جب قریں
دم دھونکنی سا منہ میں رکھ، اچھا کہے تا ربّنا

لبیک لبیک اے کرم، سر میں مرے سودا ترا
گرداں ہوں میں، گرداں ہوں میں پانی کی چکی کی طرح

پن چکیوں کو کیا خبر مقصود ان کا کون ہے
کیا نان بائی کی دکاں؟ یا کھانے والوں کی غذا

پانی پھراتا ہے انہیں، ہر دم گھماتا ہے انہیں
جم جائے یہ پانی اگر رک جائے پورا سلسلہ

خاموش اس گفتار سے پردہ مبادا فاش ہو
اسرار کا ، اسرار کو ڈھانپ اے خدا، رب العلا

☆☆☆

۵
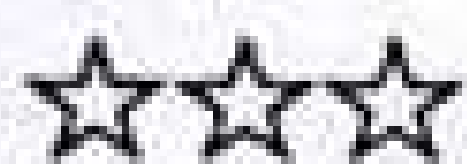
ای بگرفته از وفا، گوشه کران، چرا چرا؟
برمن خسته کرده ای، روی گران، چرا چرا؟

بر دل من که جای تُست، کار گه وفای تست
هر نفسی همی زنی، زخم سنان، چرا چرا؟

چشمه خضر و کوثری، زاب حیات خوشتری
زاتش هجر ت منم خشک دهان، چرا چرا؟

مِهرِ تو جان نهان بود، مِهرِ تو بی نشان بود
دردل من زبَهر تو نقش و نشان، چر اچرا؟

گفت که جانِ جانِ منم، دیدن جان طمع مَکن
ای بنموده روی تو مدد جان، چرا چرا؟

ای تو به نور مستقل، وی زتو اختران خجل
بس دودلی میان دل زابرِ گمان، چرا چرا؟

O

گوشہ نشینِ با وفا، مجھ سے نہاں ہے کس لیے
اس مرے خستہ دل پہ یوں، روئے گراں ہے کس لیے

دل تو مرا ہے جاتری، کارگہہ وفا تری
آج ترا نفس نفس زخمِ سناں ہے کس لیے

چشمۂ خضر تو مرا، آب حیات تو ہی ہے
آتش ہجر سے مرا خشک دہاں ہے کس لیے

روح میں لطف تھا نہاں، مہر ترا تھا بے نشاں
دل میں مرے ترے سبب نقش و نشاں ہے کس لیے

اس نے کہا میں جان ہوں، دیکھنے کی ہوس نہ کر
رخ بھی تو جان تھا تری، آہ نہاں ہے کس لیے

تُو تو ہے نورِ مستقل، تجھ سے ستارہ ہے خجل
آج دلوں کے درمیاں ابر گماں ہے کس لیے

O

ای یوسف آخر سوی این یعقوب نابینا بیا
ای عیسی پنهان شده بر طارم مینا بیا

از هجر روزم قیر شد، دل چون کمان بُد تیر شد
یعقوب مسکین پیر شد، ای یوسف بر نابیا

ای موسی عمران که در سینه چه سینا هاستت
گاوی خدایی می کند، از سینهٔ سینا بیا

رخ زعفران رنگ آمدم، خم داده چون چنگ آمدم
در گور تن تنگ آمدم ای جان با پهنا بیا

چشم محمد بانمت، واشوق گفته در غمت
زان طره ای اندر همت، ای سرّ ارسلنا بیا

خورشید پیشت چون شفق ای برده از شاهان سبق
ای دیدٔ ه بینا به حق، وی سینهٔ دانا بیا

O

پوشیدہ جوں عیسیٰ ہے کیوں عرش چہارم پر کہیں
یعقوب نابینا ہوں میں، اے یوسفِ بینا اب آ

یہ ہجر کا اندھیر ہے دل تھا کماں اب تیر ہے
یعقوب بوڑھا ہوگیا اے یوسفِ برنا اب آ

رخ زعفرانی ہوگیا ہوں چنگ کی مانند خم
اس گورِ تن میں تنگ ہوں میرے کشادہ جاں اب آ

اے موسیٰ عمراں ترے سینے میں کتنے سینا ہیں
گائے بنی ہے یاں خدا، سینا کے سینے سے اب آ

تیرے لیے چشم محمد نم ہوئی اور شوق وا
یہ طرۂ بھی تیرا رہا، اے راز "ارسلنا"[۱۸] اب آ

خورشید ہے تجھ سے شفق، سبقت تجھے شاہوں پہ ہے
اے دیدۂ بینا اب آ، اے سینہ دانا اب آ

ای جان تو وجانها چوتن، بی جان چه ارزد خود بدن
دل داده ام دیر است من، تاجان دهم جانا بیا

ای تو دوا و چاره ام، نور دل صد پاره ام
اندر دل بیچاره ام چون غیر تو شد لا بیا

نشنا ختم قدر تو من، تا چرخ می گوید زفن
دی بر دلش تیری بزن، دی بر سرش خارا بیا

ای قاب قوس مرتبت وان دولت با مکرمت
کس نیست شاها محرمت در قرب اودانی بیا

ای خسرو مه وش بیا ای خوشتر از صد خوش بیا
ای آب و ای آتش بیا ای دُرّو ای دریا بیا

مخدوم جانم شمس دین! از جاهت ای روح الامین
تبریز چون عرش مکین از مسجدی اقصی بیا

☆☆☆

تو جاں ہے اور جانیں ہیں تن، بے جاں بدن کس کار کا
دل دے چکا مدت ہوئی اب جان دوں جاناں اب آ

میری دوا تو چارہ تو، نورِ دل صد پارہ تو
اے یہ مرا بے چارہ دل تجھ بن ہوا ہے لا اب آ

کب قدر کی میں نے تری،مجھ پر فلک ہے طعنہ زن
ہاں اور اذیت دے اسے، ہاں تیر اس دل پر چلا

اے خسروِ مہ وش اب آ، اے آب، اے آتش اب آ
اے خوبصورت تر اب آ، اے درّو اے دریا اب آ

اے قاب قوس مرتبت، اے دولت عزّو شرف
کوئی نہیں محرم ترا میرے سوا، جانا اب آ

مخدوم جانِ شمس دیں، اس شان سے، روح الامین
تبریز ہے عرش مکیں، تو مسجد اقصیٰ سے آ

☆☆☆

o
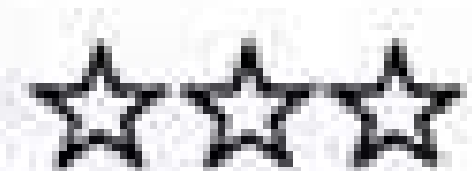
دلاراما نهان گشته زغوغا
همه رفتند و خلوت شد برون آ

بر آور بنده را از غرقه خون
فرح ده روی زردارم ز صفرا

کنار خویش دریا کر دم از اشک
تماشا چون نیایی سوی دریا

ترا در جان بدیدم باز رستم
چوگمراهان نگویم زیرو بالا

چو پروانه ست خلق و روز چون شمع
که از زیب خودش کردی تو زیبا

نمی یارم بیان کردن ازین بیش
بگفتم این قدر، باقی تو فرما

O

دلاراما، چھپا تو سن کے غوغا
گئے سب لوگ، خلوت ہے، بروں آ

نکال اس غرقۂ خوں سے مجھے اب
مرے اس زرد رخ کو کر مصفا

کیا پہلو کو دریا آنسوؤں نے
نظارہ دیکھنے آ سوئے دریا

تجھے جب جاں میں دیکھا لوٹ آیا
کہ گمراہوں کا کیا ہے زیر و بالا

یہ دن ہے شمع، پروانہ ہے یہ خلق
تری زیبائی سے یہ سب ہیں زیبا

نہیں یارا بیاں کا اس سے بڑھ کر
کہا جتنا کہا، باقی تو فرما

بگو باقی تو شمس الدین تبریز
که به گوید حدیث قاف عنقا

☆☆☆

سنا باقی تو شمس الدین تبریز
سناتا ہے حدیث قاف عنقا

☆☆☆

O

من آن شب سیاهم، کز ماه خشم کردم
من آن گدای عورم، کز شاه خشم کردم

از لطفم آن یگانه، می خواند سوی خانه
کردم یکی بهانه، وزراه خشم کردم

گر سر کشد نگارم، وز غم بَرّد قرارم
هم آه بر نیارم، از آه خشم کردم

☆☆☆

O

میں وہ شب سیاہ ہوں ماہ سے جو خفا ہوا
میں وہ گدا حقیر ہوں، شاہ سے جو خفا ہوا

تھا وہ یگانہ مہرباں، گھر کی طرف پکارتا
میں وہ بہانہ ساز ہوں، راہ سے جو خفا ہوا

اپنے نگار کے لیے، آہ میں بے قرار تھا
پھر بھی نہ میں نے آہ کی، آہ سے میں خفا ہوا

☆☆☆

O

ای نو بهار عاشقان داری خبر از یار ما؟
ای از تو آبستن چمن وای از تو خندان باغها

ای بادهای خوش نفس عشاق را فریاد رس
ای پاکتر از جان و جا آخر کجا بودی؟ کجا؟

ای فتنهٔ روم وحبش حیران شدم کین بوی خوش
پیراهن یوسف بود یا خود روان مصطفی؟

ای جویبار راستی از جوی یار ماستی
برسینهاسیناستی بر جانهای جان فزا

ای قیل وای قال تو خوش وای جمله اشکال تو خوش
ماه تو خوش سال تو خوش ای سال و مه چاکر ترا

☆☆☆

O

اے نوبہار عاشقاں کچھ دے خبر اس یار کی
اے تجھ سے نو رستہ چمن اے تجھ سے خنداں گلستاں

عشاق کی فریاد کو لے جا ہوائے خوش نفس
اے جانِ جاں سے پاک تر، آخر کہاں ہے تو کہاں

اے فتنۂ روم و حبش، حیران ہوں خوشبو تری
پیراہن یوسف سے تھی یا تھی روانِ مصطفیٰ

اے جویبار راستی تو آئی جوئے یار سے
سینے میں اس کے سینا ہے اور جان اس کی جاں فزا

کیا خوب قیل و قال تھے کیا خوب سب اشکال تھے
کیا خوب ماہ وسال تھے، ہر سال و مہ چاکر ترا

☆☆☆

O

چه باشد گر نگارینم بگیرد دست من فردا
زروزن سر درآویزد ش چو قرص ماه خوش سیما

درآید جان فزای من، گشاید دست و پای من
که دستم بست و پایم هم، کف هجران پا برجا

بدو گویم بجان تو که بی توای حیات جان
نـهشادم می کند عشرت، نه مستم می کند صـهبا

وگراز ناز او گوید برو، ازمن چه میخواهی
زسودای تو می ترسم که پیوندد بمن سودا

برم تیغ و کفن پیشش، چو قربانی نـهم گردن
که از من درد سر داری، مراگردن بزن عمدا

تو می دانی که من بی تو نخواهم زندگانی را
مرا مردن به از هجران بیزدان کا خرج الموتی

O

لگے کیسا اچانک تھام لے وہ ہاتھ گر میرا
دریچے سے نکالے سر کہ جیسے ماہِ خوش سیما

گر آئے جاں فزا میرا تو میرے دست و پا کھولے
کہ سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا ہوں ہجر سے ایسا

کہوں میں جان و دل سے یہ کہ تجھ بن اے حیاتِ جاں
نہ عشرت خوش کرے مجھ کو، نہ مستی لائے یہ صہبا

کہے وہ ناز سے گر، جا تجھے کیا چاہیے مجھ سے
کرے مجھ کو نہ سودائی کہیں تیرا عجب سودا

کروں تیغ و کفن حاضر، جھکادوں سامنے گردن
یہ دردِ سر ہے گر مجھ سے تو کردے قتل تو میرا

تجھے معلوم ہے تجھ بن نہیں جینے کی کچھ خواہش
جدائی سے ہے موت اچھی بہ یزداں کا خرج الموتیٰ [۱۹]

مرا باور نمی آمد که از بنده تو برگردی
همی گفتم اراجیفست و بهتان گفته ادا

توی جان من و، بی جان ندانم زیست من باری
توی چشم من و بی تو ندارم دیده بینا

☆☆☆

مجھے باور نہیں آتا کہ تو پھر جائے گا مجھ سے
یہی کہتا ہوں یہ بہتان ہے، یہ گفتہ اعداء

مری جاں تو ہے میں بے جان ہوں میں زیست کیا جانوں
مری آنکھیں ہے تو، تجھ بن نہیں آنکھیں مری بینا

☆☆☆

O

ای وصالت یک زمان بوده فراقت سالها
ای بزودی بار کرده بر شتر احمالها

شب شد و در چین زهجران رخ چون آفتاب
در فتاده در شب تاریک بس زلزالها

چون همی رفتی بسکتهٔ حیرتی حیران بدم
چشم باز و من خموش و می شد آن اقبالها

ورنه سکتهٔ بخت بودی مر مرا خود آن زمان
چهره خون آلود کردی بر دریدی شالها

بر سر ره جان و صد جان در شفاعت پیش تو
در زمان قربان بکر دی خود چه باشد مالها

تا بگشتی در شب تاریک زاتش نالها
تا چو احوال قیامت دیده شد اهوالها

O
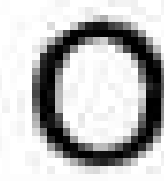
ایک موسم وصل کا اور ہجر کے اتنے برس
آہ کس جلدی میں ساماں تم نے اشتر پر دھرا

ہوگئی تھی رات اور چینِ جبینِ آفتاب
لارہی تھی اس شبِ تاریک میں اک زلزلہ

یوں گئے میں سکتۂ حیرت میں حیراں رہ گیا
آنکھ کھولے دم بخود اور ہوگئی قسمت سیہ

وہ بھی دن تھے تم مری خاطر پریشاں حال تھے
چہرہ خون آلود کرتے، چاک کرتے تھے قبا

برسرِ رہ جان حاضر ہے شفاعت کو تری
مال کیا ہے ان دنوں قربان تم کرتے تھے جاں

آتشیں نے لے کے پھرتے ہو شبِ تاریک میں
ہول سارے دیکھ لوگے حشر کے احوال کا

تا بدیدی دل عذابی گونه گونه در فراق
سنگ خون گرید اگر زان بشنود احوالها

قدها چون تیر بوده گشته در هجران کمان
اشک خون آلود گشت و جمله دلها دالها

از برای جان پاک نور پاش مه و شت
ای خداوند شمس دین تا نشکنی آمالها

ناگهان بیضه شگافد مرغ معنی بر پرد
تا هما از سایهٔ آن مرغ گیرد فالها

هم توبنویس ای حسام الدین و می خوان مدح او
تا برغم غم به بینی بر سعادت خالها

گرچه دست افزار کارت شد ز دستت باک نیست
دست شمس الدین دهد مرپات را خلخالها

☆☆☆
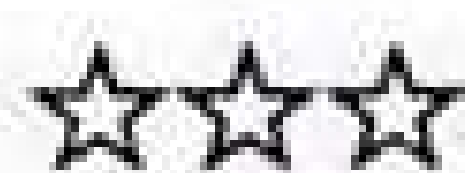
کب تلک دیکھو گے گونہ دل عذابِ ہجر کی
سنگ خوں رودے سنے گروہ ہمارا ماجرا

قد ہمارے تیر تھے غم سے کماں اب ہو چلے
اشک خوں آلود ہیں اور دل بنا ہے دال سا

از برائے جان پاک نور پاش اے ماہ وش
اے خداوند شمس دیں مت توڑ میرا آسرا

اے حسام الدیں لکھو بھی گاؤ بھی اس کی ثنا
تاکہ غم کی جا پہ دیکھو تم سعادت کے نشاں

ناگہاں ٹوٹا وہ بیضہ ، مرغ معنی اڑ چلا
اس کے سائے میں ہما فالیں نکالے گا سدا

ہاتھ سے تو نے لکھا ہے باک گو اس میں نہیں
دستِ شمس الدیں نے لیکن پاؤں کو گھنگرو دیا

☆☆☆

O

بسو زانیم سودا و جنون را
در آشامیم هر دم موجِ خون را

حریف دوزخ آشامان مستیم
که بشگافند سقف سبز گون را

چه خواهدکرد شمع لا یزالی
فلک راوین دو شمع سرنگون را

چوگرددمست، حدّ بروِی برانیم
که از حدّ بُرد تزویر و فسون را

چنانش بیخود و سرمست سازیم
که چون آید نداند راه چون را

چنان پیرو چنان عالم فنا به
که تا عبرت شود لایعلمون را

○

سلگتا ہوں کروں کیا اس جنوں کو
میں ہر دم پی رہا ہوں موجِ خوں کو

حریف دوزخ آشاماں ہوں اور مست
کہ جو چھیدیں گے سقفِ نیلگوں کو

کرے گی کیا یہ شمع لایزالی
فلک کو اور دو شمع سرنگوں کو

ہوا گر مست حد نافذ کروں گا
بڑھایا یا حد سے تزویر و فسوں کو

ہوا اس ساز سے سرمست ایسا
بجے جو کچھ نہ جانے لفظ کیوں کو

یہ ایسا پیر، یہ عالم فنا ہو
کہ عبرت ہو سکے لایعلموں[۲۰] کو

درون خانهٔ دل او ببیند
ستون این جهان بی ستون را

که سرگردان بدین سرهاست گرنه
سکون بودی جهان بی سکون را

☆☆☆

جہانِ بے ستون میں دل کے اندر
فقط اس نے دکھایا اک ستوں کو

کئی سر اس میں سرگرداں ہیں ورنہ
سکوں آتا جہاں بے سکوں کو

☆☆☆

o

طبیب دردِ بی درمان کدامست
رفیق راه بی پایان کدامست

اگر عقلست پس دیوانگی چیست
و گر جانست پس جانان کدامست

چراغ عالم افروز مُخلّد
که نی کفرست و نی ایمان کدامست

پر از درّست بحر لایزالی
درونش گوهر انسان کدامست

غلامانه ست اشیا راقباها
میان بندگان سلطان کدامست

یکی جزو جهان خود بی مرض نیست
طبیب عشق رادکان کدامست

O

طبیبِ دردِ بے درماں کہاں ہے
رفیقِ راہِ بے پایاں کہاں ہے

اگر ہے عقل، ہے دیوانگی کیا
اگر جاں ہے تو پھر جاناں کہاں ہے

چراغِ عالم افروزِ مسلسل
نہیں ہے کفر و نے ایماں، کہاں ہے

گہر سے پُر ہے بحرِ لایزالی
پہ اس میں گوہرِ انسان کہاں ہے

غلامانہ ہیں اشیا کی قبائیں
غلاموں میں وہ اک سلطاں کہاں ہے

نہیں اک جزو بھی دنیا کا بے مرض
طبیبِ عشق کی دکاں کہاں ہے

خرد عاجز شداندر فکر عاجز
که سرکش کیست سرگردان کدامست

بت موزون به بتخانه بسی جست
که موزونات را میزان کدامست

چه قبله کرده ای این گفت و گورا
طلب کن درس خاموشان کدامست

☆☆☆

خرد عاجز ہوئی اور فکر عاجز
کہ سرکش کون سرگرداں کہاں ہے

بتِ موزوں نے بت خانے میں ڈھونڈا
کہ موزونات کا میزاں کہاں ہے

تری اس گفتگو کا کیا ہے قبلہ
طلب کر درس خاموشاں کہاں ہے

☆☆☆

O
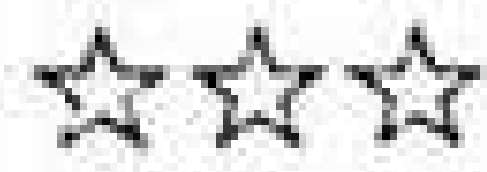
ازیکی آتش بر آوردم ترا
دردگر آتش بگستردم تُرا

از دل من زاده ای همچون سخن
چون سخن آخر فرو کردم تُرا

بامنی وزمن نمی داری خبر
جادوم من جادوی کردم ترا

تانیفتد بر جمالت چشم بد
گوش مالیدم بیآزردم تُرا

دایم اقبالت جوان شد زانچ داد
این کف دست جوامردم ترا

☆☆☆

O

ایک آتش سے نکالوں گا تجھے
دوسری آتش میں ڈالوں گا تجھے

دل میں تو پیدا ہوا ہے جیسے بات
بات جیسا ہی چبالوں گا تجھے

چشمِ بد تجھ سے ہمیشہ دور ہو
ایسی تکلیفوں میں ڈالوں گا تجھے

☆

ساتھ میرے اور مجھ سے بے خبر
میں ہوں ساحر تجھ پہ جادو کردیا

ہے ترا اقبال دایم، ہاتھ میں
میں نے ہے دست جواں مردی دیا

☆☆☆

O

مرا آن اصل بیداری، دگر باره به خواب اندر
بداد افیون شور و شر، ببُرد از سر بِبُرداز سر

به صد حیله کنم غافل،ازو خود راکنم جاهل
بیاید آن مَه کامل، به دست او چنین ساغر

مرا گوید نمی گوی ، که تاچند از گداروی
چوهر عوری و ادباری، گدایی می کنی هر در

بدین زاری و خفریقی، غلام دلق و ابریقی
اگر حقی و تحقیقی، چرایی این جوال اندر

ازینها کز تو می زاید، شهان راننگ می آید
مَلَک بودی چرا باید که باشی دیو راتسخر

که داند گفت گفتِ او، که عالم نیست جفتِ او
زپیدا و نهفت او، جهان کورست و هستی کر

O

ملا وہ اصلِ بیداری مجھے سوتے ہوئے پھر کل
بہت افیوں کا تھا غوغا، میرا بس گھومتا تھا سر

ہوا غافل بصد مشکل ، نکالی دل سے یاد اس کی
نظر آیا مہٗ کامل وہی تھا ہاتھ میں ساغر

وہ یوں کہنے لگا مجھ سے کہاں تک یہ گدا روئی
تم آوارہ بھکاری سے، بھٹکتے کیوں ہوں یوں در در

کہاں کی آہ و زاری، تم غلام خرقہ پوشی ہو
اگر حق و تحقیق ہو، کیوں لی یہ بلا سر پر

تمہارا حال ایسا ہے کہ شہ کو ننگ آتا ہے
فرشتہ تھے اور اب شیطان بھی ہنس کر گیا تم پر

کسے سمجھاؤں بات اسکی ، نہاں اس کا، عیاں اس کا
نہیں عالم میں جفت اس کا ، جہاں ہے کور ہستی کر

مرا گرآن زبان بودی، که راز یار بکشودی
هر آن جانی که بشنودی، برون جَستی ازین معبر

از آن دلدار دریا دل، مرا حالیست بس مشکل
که ویران می شود سینه از آن جولان و کروفر

اگر بامؤمنان گویم، همه کافر شوند آندم
وگر باکافران گویم، نمانَد در جهان کافر

چودوش آمد خیال او به خواب اندر تفضل جو
مرا پر سید چونی تو، بگفتم بی تو بس مضطر

اگر صد جان بُوَد مارا، شود خون ازغمت یارا
دلت سنگست یا خارا، و یا کو هیست از مرمر

☆☆☆

اگر ہوتی زباں قابل کہ اس کا رمز کہہ سکتی
یہ عالم دنگ رہ جاتا، بکھر جاتے یہ بحرو بر

مرے دلدار دریا دل، مرا جینا ہے اب مشکل
مرا ویران ہے سینہ، سلامت تیرا کروفر

اگر کافر کو بتلادوں زمیں سے کفر مٹ جائے
مسلمانوں کو سمجھادوں تو سب ہوجائینگے کافر

خیالوں میں کل آیا تھا پھر اس کو نیند میں پایا
یہ کہتا تھا کہ کیسے ہو؟ کہا تیرے سوا مضطر

جو سو جانیں مری ہوتیں تو غم سے خون تھیں یارا
ترا دل سنگ ہے یا خارا ہے یا تودۂ مرمر

☆☆☆

O

دوش من پیغام کردم سوی تو استاره را
گفتمش از من خبر ده دلبر خون خواره را

سجده کردم گفتم این سجده بدان خورشید بر
کو بتابش زر کند مر سنگهای خاره را

سینهٔ خود باز کردم زخمها بنمودمش
گفتمش از من خبر ده دلبر خون خواره را

سو بسو گشتم که تا طفل دلم خامش شود
طفل خسپد چون بجنباند کسی گهواره را

طفل دل را شیرده مارا ز گردش وا رهان
ای تو چاره کردی هر دم صد چومن بیچاره را

شهر وصلت بوده است آخر ز اول جای دل
چند داری در غریبی این دل آواره را

o

کل ستارے کو دیا پیغام یہ تیرے لیے
دے خبر میری ذرا اس دلبر مہ پارہ کو

سجدہ کرکے یہ کہا، لے جا تو اس خورشید تک
جس کی تابش زر بنادیتی ہے سنگِ خارہ کو

اپنا سینہ کھول کر دکھلائے اس کو زخم سب
اور کہا دینا خبر اس دلبر خونخوارہ کو

چلتا رہتا ہوں کہ چپ ہوجائے میرا طفل دل
طفل سوجاتا ہے گر جنبش ملے گہوارہ کو

طفل دل کو دودھ دے، گردش سے دے مجھ کو نجات
اے کو تودرماں ہے نومیدی کا ہر بے چارہ کو

جائے دل آخر تو شہر وصل ہوتا ہے سدا
کب تلک غربت میں رکھے گا دل آوارہ کو

من خمش کردم ولیکن ازپیٔ دفع خمار
ساقی عشاق گردان نرگس خماره را

☆☆☆

میں ہوا خاموش لیکن کس طرح ٹوٹے خمار
ساقی عشاق پھیر اس نرگس خمآرہ کو

☆☆☆

O

ای شاد که ما هستم اندر غم تو جانا
هم محرم عشق تو هم محرم تو جانا

هم ناظر روی تو هم مست سبوی تو
هم شسته بنظاره بر طارم تو جانا

تو جان سلیمانی آرامگه جانی
ای دیو و پری شیدا از خاتم تو جانا

اے بے خودی جانہا در طلعت خوب تو
اے روشنی دلہا اندر دم تو جانا

تو کعبۂ عشاقی شمس الحق تبریزی
زمزم شکر آمیزد از زمزم تو جانا

☆☆☆

O

خوش ہوں کہ مجھے ہے بس اک تیرا ہی غم جانا
ہوں عشق کا بھی محرم، اور تیرا بھی ہوں جانا

میں رخ کا ترے ناظر اور مست سبو تیرا
بیٹھا ہوں نظارے کو گنبد پہ ترے جانا

تو جانِ سلیماں ہے، آرام گہِ جاں ہے
شیدا ہیں انگوٹھی پر دیو اور پری جانا

ہے بے خودی جانوں کی تیرے رخ زیبا سے
ہے روشنی سینوں کی سانسوں سے تری جانا

عشاق کا کعبہ ہے شمس الحق تبریزی
زمزم نے شکر پائی زمزم سے تری جانا

☆☆☆

O

صورتگرِ نقاشم هر لحظه بُتی سازم
وآنگه همه بتهارا در پیش تو بگدازم

صد نقش بر انگیزم با روح در آمیزم
چون نقش ترا بینم در آتشش اندازم

تو ساقی خماری یا دشمن هشیاری
یا آنکه کنی ویران هر خانه که بر سازم

جان ریخته شد باتو آمیخته شد باتو
چون بوی تو دارد جان ،جانرا هله بنوازم

در خانه آب و گلِ بی تُست خراب این دل
یا خانه درآ ای جان یا خانه بپردازم

☆☆☆

O

نقاش ہوں بت گر ہوں، بت روز بناتا ہوں
پگھلاتا ہوں سب، تجھ کو جب سامنے پاتا ہوں

سو نقش بناتا ہوں، جاں ڈالتا ہوں ان میں
صورت تری جب دیکھوں، ہر نقش جلاتا ہوں

کیا تو مرا ساقی ہے؟ یا دشمنِ زیرک ہے؟
ویراں اسے کرڈالے، جو گھر بھی بناتا ہوں

جاں میری گھلی تجھ میں، رس بس گئی یوں تجھ میں
ہے جاں میں تری خوشبو، سینے سے لگاتا ہوں

یہ خانہ آب و گل تجھ بن ہے کھنڈر جیسا
یا اس میں در آ اے جاں یا میں اسے ڈھاتا ہوں

☆☆☆

۵

کناری ندارد بیابان ما
قراری ندارد دل و جانِ ما

جهان در جهان نقش صورت گرفت
کدامست ازین نقشها آنِ ما

چو در ره ببینی بُریده سری
که غلطان رَوَد سوی میدان ما

ازو پرس ازو پرس اسرار دل
کزو بشنوی سر پنهان ما

چه گویم چه دانم که این داستان
فزونست از حد و امکانِ ما

چه کبکان چه بازان بهم می پرند
میانِ هوای کهستان ما

○

کنارہ نہیں اس بیابان میں
نہیں ہے قرار اس دل وجان میں

جہاں در جہاں نقش تجسیم ہیں
ہمارے وجود ان میں ہیں کون سے

بریدہ جو سر آئے رہ میں نظر
لڑھکتا رواں ہو جو میدان میں

تو اسرارِ دل اس سے پوچھ اس سے پوچھ
سنادے گا سرِّ نہاں آن میں

کہوں کیا، کروں کیا، کہ یہ داستاں
نہیں ہے مرے حدّ و امکاں میں

بہم اڑ رہے ہیں کبک اور باز
ہمارے انوکھے کہستان میں

نه هفت آسمان کآن زعرش است زیر
از آن سوی عرش است جولانِ ما

صلاحُ آلحق و دین نماید تُرا
جمالِ شهنشاه سلطان ما

☆☆☆

پرے سات افلاک سے ہے جو عرش
ہم اس سمت اڑتے ہیں جولان میں

صلاحِ حق و دیں دکھاوے تجھے
کہ کیا حسن تھا میرے سلطان میں

☆☆☆
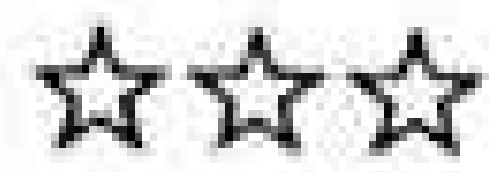
O

من آن روز بودم که اسما نبود
نشانِ از وجودِ مسمّا نبود

زما شُد مسّما و اسما پدید
در آن روز کا نجا من و مانبود

نشانِ گشت مظہر سرِ زلف یار
ہنوز آن سرِ زلفِ زیبا نبود

چلیپا و نصرانیان سر بسر
بپیمودم اندر چلیپا نبود

به بتخانه رفتم بدیر کہن
درو ہیچ رنگی ہویدا نبود

بکوه ہرا رفتم و قندہار
بدیدم در آن زیر و بالا نبود

○

میں اس دن بھی تھا جب کہ اسماء نہ تھے
نشان اور وجودِ مسمیٰ نہ تھا

ہوئے مجھ سے ظاہر مسمیٰ و اسم
کہ جب امتیازِ ہم و میں نہ تھا

ظہورِ نشاں تھا سرِ زلف یار
ابھی وہ سرِ زلف زیبا نہ تھا

اسے میں نے ڈھونڈا کلیساؤں میں
کلیساؤں میں وہ کسی جا نہ تھا

اسے مندروں میں کیا پھر تلاش
وہاں رنگ اس کا ہویدا نہ تھا

ہرات اور قندھار میں کی تلاش
نہیں تھا، کہیں زیر و بالا نہ تھا

بعمداً شدم برسرِ کوه قاف
در آن جای جز جای عنقا نبود

بکعبه کشیدم عنان طلب
در آن مقصد پیر و برنا نبود

بپر سیدم از ابن سیناش حال
بر اندازه ابن سینا نبود

سوی منظر قاب قوسین شدم
در آن بارگاه معلاً نبود

نگه کردم اندر دل خویشتن
در آن جاش دیدم دگر جا نبود

بجز شمسِ تبریز پاکیزه جان
کسی مست و مخمور و شیدا نبود

☆☆☆

کیا عزم میں نے سرِ کوہِ قاف
وہاں بھی بجز جائے عنقا نہ تھا

عنانِ طلب سوئے کعبہ جو کی
وہ اس جائے اقدس میں پیدا نہ تھا

یہ چاہا سنوں ابنِ سینا سے حال
بہ اندازۂ ابنِ سینا نہ تھا

سوئے منظرِ قاب و قوسین گیا
وہ عظمت کی اس بار گہہ میں نہ تھا

نظر اپنے دل پر اچانک پڑی
وہیں اس کو دیکھا ، دگر جا نہ تھا

بجز شمس تبریز پاکیزہ جاں
کوئی مست و مخمور و شیدا نہ تھا

☆☆☆

O

ای چنگ! پرده های سپاهانم آرزوست
وی نائ ! نالهٔ خوشِ سوزانم آرزوست

در پردهٔ حجاز بگو خوش ترانه ای
من هد هدم صفیر سلیمانم آرزوست

از پردهٔ عراق به عشّا ق تحفه بَر
چون راست و بو سلیک خوش الحانم آرزوست

این علم موسقی بر من چون شهادتست
چون مؤمنم شهادت وایمانم آرزوست

ای عشق عقل راتو پراکنده گوی کن
ای عشق نکته های پریشانم آرزوست

ای باد خوش که از چمن عشق می رسی
بر من گذر که بوی گلستانم آرزوست

○

اے چنگ مجھ کو سازِ سپاہاں کی آرزو ہے
اے نَے مجھے ترانہ سوزاں کی آرزو ہے

در پردۂ حجاز سنا نغمہ منزّہ
ہُدہد ہوں میں، صفیرِ سلیماں کی آرزو ہے

اس پردۂ عراق سے سوغات بھیجتا ہوں
پس مجھ کو بوسلیکِ خوش الحاں کی آرزو ہے

موسیقی کا یہ علم شہادت بنا ہے مجھ پر
مومن ہوں میں، شہادت و ایماں کی آرزو ہے

اے عشق میری عقل پراگندہ گو بنادے
اے عشق نکتہ ہائے پریشاں کی آرزو ہے

اے عشق کے چمن سے جو آئی وہ بادِ تازہ
مجھ پر گزر کہ بوے گلستاں کی آرزو ہے

O

مطربانرمک بزن تا روح باز آید به تن
چون زنی بر نام شمس الدین تبریزی بزن

مطربا بهر خدا تو غیر شمس الدین مگو
برتن چون جان او بنواز تن تن تن تنن

تاشود این نقش تو رقصان به سوی آسمان
تاشود این جان پاکت پرده سوز وگامزن

شمس دین و شمس دین و شمس دین می گوی و بس
تا ببینی مردگان رقصان شده اندر کفن

مطربا گرچه نیی عاشق، مشو از ما ملول
عشق شمس الدین کند مرجانت راچون یاسمن

خارها خندان شده بر گل بجُسته برتری
سنگها با جان شده بالعل گوید ما ومن

O

زم چھیڑ اس ساز کو مطرب کہ پھر جاں پائے تن
نامِ شمس الدین تبریزی بجاست و ثمن

مطربا بہرِ خدا جز نامِ شمس الدیں نہ گا
میرے تن پر نام اس کا تو بجا تن تن تنن

تا کرے پرواز پیکر تیرا سوئے آسماں
اور تری یہ پاک جاں پر سوز ہو اور گام زن

کچھ نہ گا جز شمس دین و شمس دین و شمس دیں
تاکہ دیکھے رقص میں مُردوں کو تو اوڑھے کفن

مطربا گو تو نہیں عاشق مگر مت ہو ملول
عشقِ شمس الدیں سے ہوجاتی ہیں جانیں یاسمن

خار ہنس پڑتے ہیں اور پاتے ہیں گل پر برتری
پتھروں میں جان پڑجاتی ہے جوں لعلِ یمن

O

ای عاشقان ای عاشقان، هنگام کو چست از جهان
در گوش جانم می رسد، طبل رحیل از آسمان

نک ساربان بر خاسته، قطار ها آراسته
از ما حلالی خواسته، چه خفته ای ای کاروان

این بانگها از پیش و پس بانگ ر ·بلست و جرس
هر لحظه ای نفس و نفس، سر می کشد در لامکان

زین شمعهای سرنگون، زین پرده های نیلگون
خلقی عجب آید برون، تا غیبها گردد عیان

ای دل سوی دلدار شو، ای یار سوی یار شو
ای پاسبان بیدار شو، خفته نشاید پاسبان

هر سوی شمع و مشعله ، هر سوی بانگ و مشغله
کامشب جهانِ حامله، زاید جهانِ جاودان

O

اے عاشقو اے عاشقو، رخصت کی ساعت آگئی
آتا ہے گوشِ جان میں طبل رحیل کارواں

لو اٹھ گیا وہ سارباں، قطار ہیں آراستہ
لو اس نے اجرت مانگ لی، سوتا ہے کیا اے کارواں

یہ سب صدائیں پیش و پس رہواروں کی ہیں گھنٹیاں
ہر لحظہ ہوتی ہیں رواں ارواح سوے لامکاں

یہ ساری شمعیں سرنگوں، یہ سارے پردے نیلگوں
اک خلق عجب آئی بروں، تاغیب ہوجائے عیاں

اے دل سوئے دلدار چل، اے یار سوئے یار چل
اے پاسباں بیدار ہو، سوتے نہیں ہیں پاسباں

یہ غلغلے یہ مشعلیں! امشب جہانِ حاملہ
پیدا کرے گا بطن سے اپنے جہانِ جاوداں

تو گل بُدی و دل شدی، جاهل بُدی عاقل شدی
آنکو کشیدت اینچنین، آنسو کشاند کش کشان

اندر کشاکشهای او، نوش است ناخوشهای ا و
آبست آتشهای ا و، بر وی مکن رو راگران

درجان نشستن کار ا و، توبه شکستن کار ا و
از حیلهٔ بسیار او، این ذرّه ها لرزان دلان

ای ریش خند رخنه جه، یعنی منم سالر ده
تاکی جهی گردن بنه، ورنی کشندت چون کمان

تخم دغل می کاشتی، افسوسها می داشتی
حق را عدم پنداشتی، اکنون ببین این قلتبان

ای خربه کاه ا ولیتری، دیگی سیاه ا ولیتری
درقعر چاه ا ولیتری، ای ننگ خانه و خاندان

درمن کسی دیگر بود کاین خشمها از وی جهد
گر آب سوزانی کند، زآتش بود این رابدان

یوں چرخ گرداں تھا کہ تو غافل تھا گہری نیند میں
فریاد اے عمر سبک، زنہار اے خوابِ گراں

مٹی تھا تو دل بن گیا، جاہل تھا عاقل بن گیا
لایا یہاں تک جو تجھے، وہ کھینچ لے جائے گا واں

جاں میں بھی وہ پیوست ہے، تو بہ بھی ہے وہ توڑتا
حیلے ہیں اتنے گوناگوں، لرزی ہے روحِ ذرگاں

نازاں نہ ہو اس ریش پر گویا کہ تو سالار ہے
گردن جھکا ورنہ تجھے کھینچیں گے یوں جیسے کماں

تخمِ ریا بوتا تھا تو اور خندہ زن ہوتا تھا تو
حق کو سمجھتا تھا عدم، اب دیکھ لے غولِ سگاں

اے خر تو چارے سے ہی خوش، عاشق ہے تو بس دیگ کا
خوش خوش کنویں میں ہے پڑا، اے ننگِ خان و خانداں

مجھ میں نہاں تھی شے کوئی آنکھوں سے جو ٹپکی مری
پانی جو آئے جوش میں ہے آگ پر سمجھو دھرا

درکف ندارم سنگ من باکس ندارم جنگ من
باکس نگیرم تنگ من، زیرا خوشم چون گلستان

پس خشم من زان سر بود، وز عالم دیگر بود
این سوجهان آن سو جهان، بنشسته من برآستان

بر آستان آن کس برد، کو ناطق اخرس بود
این رمز گفتی بس بود، دیگر مگو درکش زبان

☆☆☆
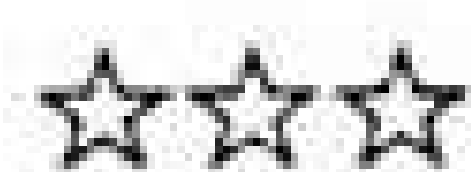
نے ہاتھ میں اب سنگ ہے، نے اب کسی سے جنگ ہے
نے میں کسی سے تنگ ہوں، میں خوش ہوں، جیسے گلستاں

غصہ مرا اُس جا سے تھا جو دوسرے عالم میں ہے
دہلیز پر بیٹھا ہوں میں، اس رخ جہاں اُس رخ جہاں

دہلیز پر یہ کون تھا؟ گونگا کہ جو ناطق بھی تھا
اس رمز کو کافی سمجھ، بس روک لے مُنھ میں زباں

☆☆☆

حواشی

۱۔ مولانا کے مخصوص رقص کی طرف اشارہ ہے۔ چکی کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں ''گندم'' لایا گیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں ''ہمہ صاحب دلاں گندم کہ با مغزند و باللذت''۔ پن چکی کی تمثیل مولانا کے کلام میں جا بجا ہے۔ وہ اسے انسان سے تشبیہ دیتے ہیں۔

۲۔ ارفق بنا یا ربنا: اے رب تو میرا رفیق بن جا

۳۔ روان: روح اور جان سے مشابہہ قوت حیات۔ مولانا کے کلام میں ان تینوں کے مطلب میں فرق ہے۔ اردو میں ''روان'' اب صرف ''روح و روان'' کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے۔ کثرت استعمال سے لوگ اسے ''روح رواں'' کہنے لگے ہیں۔

۴۔ جاالقضاء: محاورے میں ''اُف قیامت ہے!''

۵۔ انی وجدت ۔۔۔ ''میں نے ایک عورت دیکھی ہے جو ان پر حکومت کرتی ہے اور اس کے پاس سب ساز و سامان ہیں''۔ یہ آیت سورۃ نمل سے ہے۔ ہد ہد حضرت سلیمان کو ملکہ بلقیس کے بارے میں بتا رہا ہے۔

۶۔ ایہا العشاق قوموا: اے عاشقو، کھڑے ہو جاؤ تیاری، کرو، دعوت ہے (الصلاء زیادہ تر نماز کے لیے کہا جاتا ہے اور اس کا مطلب ''اجازت ہے'' بھی سمجھا جاتا ہے)

۷۔ قالب کے عربی میں وسیع مطلب ہیں۔ کھانچہ، ایسی شے جس میں کچھ اور بنے، جیسے سانچہ، وہ بھی کہ جو مڑتا ہو، بدلتا ہو، یا پیچھے جاتا ہو۔ قالبِ مثالی: جوہری شکل، لطیف شکل جس میں مادّہ اثر پذیر ہوتا ہے اور جو اس مادّے کا کھانچہ بنتا ہے۔

۸۔ تصوف کی اصطلاح میں خیمہ ایسے وقوعے کو کہتے ہیں جس میں بہت سے دوسرے کام شامل

ہوں۔ جیسے کوئی رسی بٹتا، کوئی میخیں ٹھونکتا ہے، کوئی کپڑا تانتا ہے۔(دی صوفی: ادریس شاہ)

۹۔ شیر تصوف کی اصطلاح میں کامل صوفی کو کہتے ہیں (دی صوفی : ادریس شاہ)

۱۰۔ ترکستان کے اطراف میں قدیم باشکرد قبائل مچھلی اور سانپ کی پرستش کرتے تھے (سفر نامہ ابن فضلان)

۱۱۔ جاء الفرج: کشادگی کا مقام یا درجہ

۱۲۔ دیکھئے فٹ نوٹ نمبر۔۱

۱۳۔ اس ہندی روایت کی طرف اشارہ ہے کہ کہکشاں (گودھولی) آسمان پر گائیوں کا راستہ ہے۔

۱۴۔ زحل (ایک منحوس ستارہ)

۱۵۔ دولہا، تصوف کی اصطلاح میں روحِ اولیٰ کو بھی کہتے ہیں۔

۱۶۔ یفعل اللہ مایشاء: خدا وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے

۱۷۔ صوفی مسلک میں سالک وصل خداوندی کے لیے جو مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں انہیں روش کہتے ہیں۔

۱۸۔ ارسلنا: بھیجا، کچھ بھیجنا

۱۹۔ اخرج الموتیٰ: جو مر چکے ہیں انہیں خارج کردو

۲۰۔ لایعلمون: جو نہیں جانتے، جہلاء

حیرت کدہ

شاعری کا، خصوصاً غزل کا منظوم ترجمہ میرے نزدیک ایک انہونی سی بات تھی۔
تو پھر یہ کیا ہوا؟
دیوان شمس تبریز میں نے صرف چند نوٹس لینے کے لیے کھولا تھا۔ چند اشعار کا نثری ترجمہ کرنا بھی مقصود تھا۔ کسی غزل کا منظوم ترجمہ کرنے کا تو میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔

اور یہ نہایت حیران کن وقوعہ ظہور پذیر ہوا کہ جیسے کسی نے مجھے آلیا۔ بے شک ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست

اس جنگل میں کوئی تھا، کوئی زندہ شخص جو عالم بے خودی میں رقص کر رہا تھا۔ کبھی ایک رقصِ طرب میں محو اور کبھی آنسوؤں کی بوچھاڑ میں ڈوبا ہوا ۔۔۔ گاہے کھلکھلاتا، گاہے پُر سکون اور کبھی فکر میں غرق! اور ہر صورت میں تمام حیاتی توانائیوں کے ساتھ زندہ!

یہ سلسلہ ان موسیقی سے لبریز غزلوں کو بے اختیار گنگنانے سے آغاز ہوا جس کے ساتھ یہ ازخود اردو میں منقلب ہونے لگیں۔ میری ذاتی اصطلاح میں یہ ترجمے نہیں ''منقلبات'' ہیں۔ اس ترجمے کا عمل ایک جیتے جاگتے انسان کے ساتھ ایسا رقص تھا جس میں، میں نے اپنے آپ کو مستغرق دیکھا۔

•

دیوان کی غزلوں کا طلسم یہ ہے کہ جوں ہی آپ اعتبار کرنے لگیں کہ یہ گائیک آپ جیسا ہی انسان ہیں، آپ ان کے ساتھ کھلکھلا کر ہنس سکتے ہیں اور زار و قطار آنسو بہا سکتے ہیں، عین اسی لمحے یہ احساس آپ کو جکڑ لیتا ہے کہ یہ ہرگز آپ جیسے انسان نہیں ہیں۔ یہ کسی دوسرے عالم

میں ہیں۔ ایک ایسا عالم اسرار جہاں تک آپ کی رسائی ہرگز نہیں۔لیکن ان غزلوں کے اشعار کا ہر مصرعہ جس کی جانب دروازے کھول رہا ہے۔

رومیؔ صرف ایک شاعر بے مثال ہی نہیں تھے، وہ ایک پختہ کار صوفی بھی تھے اور اس کا گہرا تعلق مذہب سے ہے۔ ان کے کلام کا ترجمہ کرتے ہوئے میں نے اس بات کو لمحہ بھر کے لیے بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ میں نے ایک ایک لفظ کو ادب اور احتیاط سے ترجمہ کیا ہے۔ دیوان شمس تبریز کے مطالعے کے دوران یوں بھی کیف و سرمستی کے ساتھ ساتھ قاری پر ایک خوف اور ہیبت کا عالم بھی طاری ہو جاتا ہے۔

دیوان شمس تبریز میں کلام رومیؔ ایک Prism کی مانند ہے۔ اس کے رنگوں کا شمار نہیں ہو پاتا۔ ہر رنگ سے ایک دوسرا رنگ پھوٹتا چلا جاتا ہے۔

راقم الحروف تصوف کے اسرار و رموز کی الف بے سے بھی سرِ مو واقف نہیں۔ یوں بھی یہ ایسا علم ہے جسے سمجھنے کے لیے ایک عمر درکار ہے نہ کہ چند مہینے یا سال۔ لیکن تصوف پر جو تحریریں ہیں ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس کا تعلق ''سمجھنے'' سے بڑھ کر ''محسوس'' کرنے سے ہے۔ رومی کا کمال یہ ہے کہ ان کے اشعار پڑھ کر قاری ان کی قلبی کیفیت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ترسیل کا جادو ہے، سحر ہے!

ان غزلوں کا ترجمہ اصل کے عین مطابق ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا میں نے خود اصل متن کی وہ تمام تراکیب استعمال کی ہیں جو اردو میں کھپ سکتی تھیں۔ بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ ترجمہ ''خالص'' اردو میں کیوں نہیں۔

میری نظر میں یہ اعتراض ناسمجھی پر مبنی ہے۔ اردو کا طرۂ امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ ''خالص'' ہو ہی نہیں سکتی پھر اگر اردو شاعری میں ''شب سیاہ' عام ترکیب ہے تو ترجمے میں اسے ''کالی رات'' کہنا کس لیے ضروری ہے۔ اساتذہ کے اردو کلام میں اس سے کہیں زیادہ ادق تراکیب موجود ہیں۔ یہ ترجمہ بہرحال ''آسان اردو'' والوں کے لیے نہیں کیا گیا۔ جو خواتین و حضرات اردو شاعری کے اساتذہ کا کلام نہیں سمجھ سکتے وہ اس کتاب کو فی الفور طاق پر رکھ دیں تو مترجم کو چنداں اعتراض نہیں ہوگا۔

مجھے امید ہے کہ ترجمے میں مولانا کے اپنے الفاظ اور تراکیب اور بیشتر اوزان کو کام میں لاکر میں صرف معنی نہیں بلکہ اس کلام کی ''صورت'' بھی آپ تک پہنچا سکی ہوں۔ یہی تو مولانا کے فلسفہ کائنات کا اہم جز ہے کہ معنی صورت کے بغیر نہیں، بلکہ ممکن ہی نہیں۔ وہ صورت کو بے کار نہیں سمجھتے بلکہ بعض اوقات تو جانِ معنی سمجھتے نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رومؔی کے کلام میں روحانیت اور مادّیت کا ایسا حیران کن اتصال نظر آتا ہے کہ انسان ششدہ رہ جائے کہ ہزاروں برس سے باہم رقیب ان نظریات کی یکجائی یوں بھی ممکن تھی!

اس انتخاب میں صرف وہی غزلیں اور اشعار شامل ہیں جو بہت آسانی اور آہستگی سے اردو میں ڈھل گئے۔ متعدد نادرو نایاب غزلیں ایسی تھیں جو اپنی روح و پیکر سمیت اردو کے منظوم ترجمے میں ڈھلنے سے مزاحم تھیں تو ان سے قطعی زور آزمائی نہیں کی گئی کیونکہ شعر اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

راقم کی آرزو ہے کہ اس مجموعے کو کلام مولانا رومؔ کا ایک تعارف سمجھا جائے، اس کے ذائقہ سے آشنا ہوکر آپ کا تجسس بڑھے اور آپ دیوان شمس تبریزی کے مکمل متن سے لطف اندوز اور بہرہ ور ہونے کی کوشش کریں۔ یہ بھی امید ہے کہ دوسرے شعرا اور مترجم بھی کلام رومی کو اردو کے منظوم یا منثور تراجم میں ڈھالنے کی کوششیں کریں گے اور یقیناً یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا کہ اس طرح ہم اپنے نہایت عظیم شعری و فکری ورثہ کی بازیافت کرسکیں گے۔

فہمیدہ ریاض

کراچی

۱۵ جولائی ۲۰۰۶

نظم ونثر کے نئے انداز

دنیا زاد

کتابی سلسلہ

سال میں تین کتابیں

خصوصی اشاعتیں

عاشق من الفلسطین

سیاسی سماجی تجزیہ اور نظم ونثر کا انتخاب

دنیا دنیا دہشت ہے

تجربے سے تجزیے تک

میں بغداد ہوں

موجودہ صورت حال کا ادبی تناظر

شہرزاد
SCHEHERZADE

بی ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی

ای میل: info@scheherzade.com

شہرزاد

کتابوں کا نیا سلسلہ

کلاسیک

عالمی ادب کے شاہکاروں کی نیرنگیِ خیال

بین الاقوامی جدید ادب کا جہانِ عجائب

اردو روپ میں

اپنی سوگوار بیسواؤں کی یادیں

گابرئیل گارسیا مارکیز

ترجمہ: محمد عمر میمن

مجھے اپنی آنکھوں میں محفوظ کرلو

کارلوس فوینتیس

ترجمہ: محمد عمر میمن

انگارے

شاندور مارئی

ترجمہ: محمد عمر میمن

یادوں کی بازگشت

نجیب محفوظ

ترجمہ: آصف فرخی

شہرزاد
SCHEHERZADE

ISBN: 969-8636-75-7
Price Rs. 200/-